مئی ۱۹۷۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مرتب
شیخ جمیل الرحمٰن

جلد ۲۷ | مئی ۱۹۷۸ء | شمارہ ۵

عرض احوال ...	ڈاکٹر اسرار احمد	۱
شرک اور اقسام شرک ...	ڈاکٹر اسرار احمد	۹
اقبال کا معاشی نظریہ ...	ڈاکٹر الطاف جاوید	۳۵
نیکی میں سبقت ...	ڈاکٹر محمد نذیر مسلم	۵۳
علماء کرام ہوشیار رہیں ! ...	ڈاکٹر اسرار احمد	٦۵

☆

شائع کردہ :

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳٦ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور

فون : 352683

چندہ سالانہ ۔/[illegible]

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی

و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی حسب ذیل دو تالیفات پریس میں ہیں :

(۱)

مطالبات دین

○ عبادت رب ○ شہادت علی الناس - اور ○ اقامت دین

کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب کے تین خطابات کا مجموعہ

بڑے سائز کے ۱۲۰ صفحات ، سفید کاغذ ، قیمت فی نسخہ ۹/-

شائع کردہ : مکتبہ تنظیم اسلامی

(۲)

ی اکرم کی بعثت کا مقصد

اور

لاب نبوی کا اساسی منہاج

بڑے سائز کے ۴۶ صفحات ، سفید کاغذ ، قیمت فی نسخہ ۳/-

(۳)

مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

مرتبہ : ڈاکٹر اسرار احمد

ہدیہ نصف اول ۵/عہ

جمیل الرحمٰن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

عرضِ احوال

میثاق کا مئی کا شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ اپریل میں چونکہ چالیس روزہ درسِ قرآن کا آغاز اور اقامتی تربیت گاہ کا انعقاد ہونے والا تھا لہٰذا اپریل کا شمارہ مارچ کے شمارے کے ساتھ پیشگی شامل کر دیا گیا تھا چنانچہ گذشتہ شمارہ دُگنی ضمانت پر مارچ اور اپریل کا مشترکہ شمارہ تھا۔ مارچ کا آخری عشرہ اور اپریل کا پورا مہینہ انتہائی مصروفیات میں گزرا ہے، جس کی مختصر سی روداد قارئین میثاق کی واقفیت کے لئے پیشِ خدمت ہے۔

قرآن کانفرنس

اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر و احسان ہے کہ اعلان کے مطابق ۲۲، ۲۴ مارچ ۸۷ کو کراچی میں مرکزی انجمن خدّام القرآن کی پانچویں سالانہ قرآن کانفرنس کا بحسن وخوبی انعقاد عمل میں آیا۔ کراچی کے لحاظ سے یہ پہلی کانفرنس تھی لہٰذا کراچی کے رفقاء اس کی کامیابی کے متعلق بیم و رجا کی کیفیت سے دوچار تھے۔ یہ خالص اللہ تعالیٰ کا کرم اور اس کی آخری کتاب قرآن مجید کا فیضان و اعجاز تھا کہ کانفرنس افادیت اور حسنِ انتظام دونوں اعتبارات سے کامیاب رہی۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا تاثر تو یہ ہے کہ گو حاضری کے لحاظ سے یہ کانفرنس لاہور کی کانفرنسوں کے مقابلے میں قدرے کم تر تھی لیکن اس کانفرنس میں پیش کردہ مقالات و خطابات کمیّت و افادیت کے لحاظ سے کہیں بہتر تھے ـــــ اس کانفرنس کے ساتھ رفقائے کراچی نے ایک قرآنی نمائش کا بھی اہتمام کیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قرآن کانفرنس کے ساتھ نمائش بھی لگائی گئی تھی، جس میں قرآن حکیم کے متعلق متعدد کتبے، طغرے، تصاویر اور معلوماتی مواد بڑے سلیقے سے پیش کیا گیا تھا۔ اس نمائش نے ہر دیکھنے والے سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ توقع ہے کہ انشاء اللہ آئندہ کانفرنسوں کے مواقع پر بھی ایسی نمائش کا اہتمام کیا جایا کرے گا اور نقشِ ثانی، بہرحال نقشِ اوّل سے بہتر ہی ہوگا۔ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے

لاہور، سکھر اور لاڑکانہ سے بھی رفقاء تشریف لائے تھے۔

اس کانفرنس کے کل پانچ اجلاس ہوئے ۲۲ مارچ کو بعد مغرب پہلا اور ۲۳/۲۴ مارچ کو صبح و شام دو دو اجلاس ــــ اس کانفرنس کی مفصل روداد اور اس میں پیش کردہ گراں قدر اور مفید مقالات و خطابات پر مشتمل ان شاء اللہ جلد ہی "قرآن کانفرنس نمبر" کے نام سے ماہنامہ میثاق کی ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جائے گا۔

کراچی سب آفس

مرکزی انجمن کا کراچی میں کوئی باقاعدہ دفتر نہیں تھا۔ اللہ کے فضل سے یہ ضرورت بھی پوری ہو گئی اور حسرت موہانی روڈ پر نگار ہوٹل کے عقب میں جدید تعمیر شدہ سُنّی پلازا میں مالکانہ حقوق کی بنیاد پر کراچی سب آفس کے لئے ایک کمرہ لے لیا گیا ہے۔ جس کا افتتاح قرآن کانفرنس سے فارغ ہونے کے بعد ۲۵ مارچ کو مرکزی انجمن کے صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ہاتھوں شرکاء کی دعاؤں کے ساتھ عمل میں آگیا۔ اور ۷ اپریل سے اس دفتر میں ہفتہ وار مطالعہ قرآن کا سلسلہ بھی بحمداللہ شروع ہو گیا۔ ان شاء اللہ مئی سے مطالعہ حدیث کا بھی آغاز ہو جائے گا۔ ہفتہ وار اجتماع ہر جمعہ کو صبح ۹ بجے منعقد ہوتا ہے اور دفتر کا پتہ حسب ذیل ہے۔

کمرہ نمبر ۱۱۴ پہلی منزل۔ سُنّی پلازا حسرت موہانی روڈ۔ (نگار ہوٹل کا عقب)

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع

حسب اعلان ۲۷ تا ۳۰ مارچ ۷۸ء لاہور میں تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع منعقد ہوا۔ جس میں اگست ۷۷ء کے اجتماع کی روداد کی تلخیص اور فیصلوں کی توثیق کی گئی اور نظم نیز آئندہ دعوتی کام کے لئے چند مفید تجاویز منظور کی گئیں۔ ارادہ یہ تھا کہ تنظیم کی مستقل ہیئت تنظیم کے متعلق جو فیصلے اگست ۷۷ء کے اجتماع میں کئے گئے تھے اُن کو اس اجتماع کی مفصل روداد کے ساتھ مئی کے شمارے میں قارئین میثاق کے سامنے پیش کر دیا جائے گا اس کا اظہار گذشتہ شمارے کے عرض احوال میں بھی کر دیا گیا تھا۔ مکمل و مفصل روداد کو ضبط تحریر میں لانے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ لیکن مختلف دوسری مصروفیات کی وجہ سے تادم تحریر یہ کام تکمیل نہ پا سکا۔ روداد کا صرف ایک تہائی حصہ قلمبند ہو سکا ہے جو میثاق کے ۳۰ صفحات کے لگ بھگ ہے۔ اس روداد کو اقساط میں شائع کرنے سے وہ مقصد کماحقہ پورا نہیں ہوتا تھا جو مطلوب ہے لہٰذا اب کوشش یہ ہے کہ جون کے

شمارے میں مکمل روداد شائع کردی جائے۔ اگر اللہ تعالےٰ کی توفیق شامل حال رہی تو یہ روداد اب آئندہ ماہ پیش خدمت ہوگی۔

مرکزی انجمن کا سالانہ اجتماع

مرکزی انجمن کے دستور اور قواعد و ضوابط کی رو سے مرکزی انجمن کے تمام ارکان (GENERAL BODY) کا سالانہ اجلاس مارچ / اپریل میں منعقد ہونا ضروری ہوتا ہے نیز ہر دو سال بعد خفیہ رائے دہی کے ذریعے مجلس منتظمہ کا انتخاب بھی عمل میں آتا ہے۔ چنانچہ ۲۱ مارچ ۷۷ء بروز جمعہ صبح ۹ بجے یہ سالانہ اجلاس قرآن اکیڈمی میں صدرِ مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا اس اجلاس میں انجمن کے کل ۱۹۹۰ اراکین میں سے ۵۹ اراکین نے شرکت فرمائی۔ حاضری کے لحاظ سے یہ سالانہ اجلاس کامیاب ترین اجلاس تھا۔ اس اجلاس میں معمول کے مطابق امور انجام پائے بعدہ دستور میں طے شدہ ضابطے کے مطابق بذریعہ بیلٹ انتخاب عمل میں آیا اور حسب ذیل دس حضرات کثرت رائے سے دو سال کے لئے مجلسِ منتظمہ کے رکن منتخب ہوئے۔

- حلقۂ موسسین میں سے مندرجہ ذیل چار حضرات :۔

(۱) ڈاکٹر ظہیر احمد صاحب (۲) قمر سعید صاحب قریشی
(۳) میاں محمد رشید صاحب (۴) چودھری نصیر احمد ورک صاحب

- حلقۂ محسنین میں سے مندرجہ ذیل دو حضرات :۔

(۱) اظہار احمد صاحب قریشی (۲) قاضی عبدالقادر صاحب (کراچی)

- حلقۂ مستقل ارکان میں سے مندرجہ ذیل دو حضرات :

(۱) ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب (۲) محمد بشیر ملک صاحب

- حلقۂ عام ارکان میں سے مندرجہ ذیل دو حضرات :۔

(۱) حاجی محمد یوسف صاحب (۲) چوہدری حبیب اللہ صاحب

- دو ارکان کو نامزد کرنے کا اختیار دستور نے صدرِ مؤسس کو دے رکھا ہے، چنانچہ موصوف نے اس حق کے تحت حسب ذیل دو حضرات کو نامزد کیا۔

(۱) محمد عقیل صاحب (کراچی) (۲) محمد یونس صاحب

اس طرح صدر مؤسس کے علاوہ دو سال کے لئے نئی مجلسِ منتظمہ بارہ حضرات پر مشتمل تشکیل پا گئی۔

اعزازی ناظمین کے تقرر کا اختیار صدرِ مؤسس کو حاصل ہے، لہٰذا مجلس منتظمہ کے پہلے اجلاس میں موصوف نے مجلسِ منتظمہ کے مشورے سے حسبِ ذیل اعزازی ناظمین مقرر کر دیئے۔

(۱) ناظم اعلیٰ : محمد بشیر ملک صاحب (۲) معتمدِ مجلس منتظمہ :- چودھری نصیر احمد ورک صاحب

(۳) ناظم بیت المال : میاں محمد رشید صاحب (۴) ناظم مکتبہ ونشر واشاعت : قمر سعید صاحب قریشی

(۵) محاسب : حاجی محمد یوسف صاحب۔

منتخب نصاب کے دروس گزشتہ شمارے میں دو ورقہ ضمیمے کے ذریعے اعلان کیا گیا تھا کہ ان شاء اللہ یکم اپریل ۷۸ء سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد مسجد شہداء میں ہر ہفتے میں پانچ دن ہفتہ تا بدھ بعد نماز مغرب مطالعہ قرآن کے منتخب نصاب کا مسلسل درس دیں گے جو چالیس نشستوں میں مکمل ہوگا۔ الحمد اللہ یکم اپریل ۷۸ء سے اس درس کا آغاز ہو گیا ہے تا دم تحریر بحمد اللہ پندرہ نشستیں منعقد ہو چکی ہیں۔ شرکاء کی تعداد اکثر پانچ چھ سو افراد کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ لاہور کے قریبی شہروں سے بھی چند حضرات دروس میں شریک کے لئے روزانہ پابندی سے آتے ہیں۔ ایک نہایت خوش آئند بات یہ ہے کہ اس مرتبہ نوجوانوں کالجوں اور یونیورسٹی کے طلبہ کی بھی قابلِ ذکر تعداد پابندی سے شریک ہو رہی ہے۔ خواتین کی نشست کا بھی منتظمین مسجد نے مسجد سے ملحق انتظام کر رکھا ہے۔ تقریباً چالیس پچاس خواتین پابندی سے شرکت کر رہی ہیں۔

اس مرتبہ دروس کو ٹیپ کرنے والوں کی تعداد میں بھی غیر معمولی اضافہ نظر آ رہا ہے۔ تقریباً تینتیس ۳۳ حضرات پابندی سے تمام دروس کو ٹیپ کر رہے ہیں تاکہ پھر اس ذریعے سے اس نصاب کو اپنے اپنے حلقہ تعارف واثر میں سے باقاعدہ انتظام کر سکیں۔

راقم الحروف کا تاثر و مشاہدہ یہ ہے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ لاہور میں مسلسل اللہ کی کتاب کی تعلیم و تدریس اور تفہیم کے لئے نہایت ذوق و شوق اور پابندی سے

اتنی کثیر تعداد میں لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ جن میں اکثریت تعلیم یافتہ حضرات کی ہے۔ پھر یہ کہ معاملہ دو تین دن یا ایک دو ہفتے کا نہیں پورے چالیس یا پچاس دنوں کا ہے۔ بلکہ راقم کا اندازہ یہ ہے کہ شاید یہ نصاب چالیس نشستوں میں مکمل نہ ہو سکے اور دو ہفتوں یعنی دس نشستوں کا اضافہ کرنا پڑے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی کتاب ہدایت ہی کا فیضان و اعجاز ہے۔ وَ لِلّٰہِ الحمدُ والشکرُ والمنّہ

مجلسِ مذاکرہ اس مرتبہ یہ طریقہ بھی اختیار کیا گیا ہے کہ درس کے بعد عموماً مذاکرہ کے لئے ایک مجلس بھی مسجد شہداء سے قریب ایک رفیق کے دفتر میں منعقد ہوتی ہے۔ جس میں اس روز کے درس سے متعلق ڈاکٹر صاحب وضاحتیں طلب کرنے اور اشکالات پیش کرنے کی دعوت دیتے ہیں پھر سوال کرنے والے کو اپنے جوابات سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس مجلس میں روزانہ تقریباً ۴۰ حضرات شریک ہوتے ہیں تجربے سے معلوم ہوا کہ یہ مجلسِ مذاکرہ بڑی افادیت کی حامل ہے۔ ایسے مواقع پر ایسی مجالس کے انعقاد کا ضرور اہتمام ہونا چاہیئے۔

تدریسِ عربی مسجدِ شہداء میں نمازِ عصر و مغرب کے مابین تدریسِ عربی کا بھی انتظام ہے۔ معلّم کے فرائض جناب مولانا محمود احمد غضنفر صاحب جو جامع اسلامیہ بند روڈ لاہور میں مدرّس اور دارالعلمیّہ والافتاء والدّعوۃ والارشاد الرّیاض (سعودی عرب) سے وابستہ ہیں، انجام دے رہے ہیں۔ مولانا موصوف نے عربی پڑھانے کا بڑا سائنٹیفک اور مفید طریقہ اختیار (ADDOPT) کیا ہے جس کے باعث لوگوں کی دلچسپی برابر برقرار ہے اور ساٹھ ستر حضرات مستقل طور پر اس سے استفادہ کر رہے ہیں۔ ورنہ سابقہ تجربہ تو یہ ہے کہ ابتدا میں تو لوگ اچھی خاصی تعداد میں شوق کے ساتھ شریک ہوتے ہیں لیکن ایک ہفتے ہی میں یہ تعداد گھٹتے گھٹتے چار پانچ افراد تک محدود رہ جاتی ہے۔

منتخب نصاب کی طباعت عرصے سے ضرورت بھی محسوس ہو رہی تھی اور لوگوں کا تقاضا بھی تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے مطالعۂ قرآنِ حکیم کا جو منتخب نصاب مرتب کیا ہے اور جس کا اصل مفاد یہ ہے کہ جو شخص اس نصاب کی سماعت کرے یا اُس کا مطالعہ کرے اس پر روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جائے کہ ہمارا دین، دینِ اسلام کیا ہے اور ہم سے اس کے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کو کن اوصاف اور کس کردار کے بندے محبوب

ہیں، وہ نصاب طبع بھی ہو جائے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس موقع پر یہ دیرینہ ضرورت بھی ایک حد تک پوری ہوگئی اور نصاب کے درس کا پہلا حصّہ مشتمل بر :

• لوازمِ نجات : جس میں سورۂ والعصر (ii) آیت بِرّ (سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۷) (iii) سورۂ لقمان کا دوسرا رکوع (iv) سورۂ حٰمٓ السجدہ کی آیات ۳۰ تا ۳۶۔

• مباحثِ ایمان : جس میں (i) سورۂ فاتحہ (ii) سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۶ (iii) سورۂ نور کا پانچواں رکوع (iv) سورۂ تغابن مکمل (v) سورۂ قیامہ مکمل

• مباحثِ عملِ صالح : جس میں (i) سورۂ مؤمنون کی ابتدائی گیارہ آیات (ii) سورۂ معارج کی آیات ۱۹ تا ۳۵ (iii) سورۂ فرقان کا آخری رکوع (iv) سورۂ بنی اسرائیل کے رکوع ۳ اور ۴ (v) سورۂ تحریم مکمل (vi) سورۂ حجرات مکمل : قرآن کے متن، لفظی ترجمے اور ڈاکٹر صاحب موصوف کے تعارفی اور تمہیدی کلمات اور تشریحات کے ساتھ مضبوط جلد بندی میں اعلیٰ آفسٹ پیپر پر شائع ہو چکا ہے۔ ہر درس کے ساتھ NOTES لینے کے لئے سادے اوراق بھی شامل کئے گئے ہیں۔ اس کا ہدیہ لاگت کے بالکل مطابق فی جلد پانچ روپے رکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب دوسرے حصّے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ توقع ہے کہ دوسرا حصّہ جو فریضۂ جہاد، فریضۂ شہادت علی النّاس، فریضۂ اقامتِ دین اور اس کے اساسی منہجِ عمل نیز صبر و مصابرت اور استقامت کے مباحث سے متعلّق ہے، وسطِ مئی تک یعنی ان مباحث کے دروس کے آغاز سے قبل ہی منصّۂ شہود پر آجائے گا۔ اِن شاء اللہ العزیز!

دیگر مطبوعات منتخب نصاب کی طباعت کا ذکر آیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مکتبہ مرکزی انجمن اور تنظیم کی ان نئی کتابوں کا تذکرہ بھی کر دیا جائے جو مارچ میں شائع ہو چکی ہیں اور جو اپریل میں پریس گئی ہوئی ہیں اور اِن شاء اللہ اسی ماہ کے آخر تک یا مئی کے پہلے ہفتہ میں منصّۂ شہود پر آجائیں گی۔

مولانا امین احسن اصلاحی مُدّ ظلّہ العالی کی کتاب "اسلامی ریاست" ——— اور "پاکستانی عورت دوراہے پر" طبع ہو کر آچکی ہیں۔ "تدبّرِ قرآن" کی جلد سوم کا دوسرا ایڈیشن بھی طبع ہو چکا ہے اور اُس کی جلد بندی ہو رہی ہے۔ مزید برآں سیّد غلام احمد رضوی ایڈووکیٹ کی تالیف "یتیم پوتے کا حقِّ وراثت" بھی چھپ کر آگئی ہے، جس میں منکرینِ حدیث کے پیدا کردہ مغالطوں کے ازالے کی بڑے خلوص اور محنت سے کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب

کے کتابچے "انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج" کا پہلا ایڈیشن اپریل ۷۷ء میں چھ ہزار طبع ہوا تھا۔ اب اس کا دوسرا ایڈیشن دو ہزار طبع ہو رہا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعۂ شہادت پر ڈاکٹر صاحب کا خطاب "شہیدِ مظلوم" دو ہزار کی تعداد میں دسمبر ۷۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اب اس کا دوسرا ایڈیشن چار ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے دو خطابات "عبادتِ ربّ" اور "فریضۂ شہادت علی الناس" کے پہلے ایڈیشن عرصۂ دراز سے ختم ہو چکے تھے، چنانچہ یہ دونوں خطابات اور "فریضۂ اقامتِ دین" والا غیر مطبوعہ خطاب یکجا "مطالباتِ دین" کے نام سے کتابی صورت میں پریس جا چکے ہیں۔ اُمید ہے کہ مئی کے اوائل میں یہ کتاب مکتبہ سے دستیاب ہو سکے گی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے دو اہم خطابات "بعثتِ نبوی کا تکمیلی مقصد اور اتمامی شان" اور "انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج" بھی کتابی صورت میں پریس جا رہا ہے اور مئی کے وسط تک طباعت کے تمام مراحل طے ہو جائیں گے۔ مزید برآں کوشش کی جا رہی ہے کہ جولائی تک ڈاکٹر صاحب موصوف کا خطاب "شرک اور اقسامِ شرک" جو قسط وار میثاق میں شائع ہو رہا ہے اور منتخب نصاب کا دوسرا درس "حقیقتِ برّ و تقویٰ" آیۂ برّ (سورۂ بقرہ ۱۷۷ کی روشنی میں)۔ نیز 'تنظیمِ اسلامی' کے اساسی معتقدات اور اُصول و مبادی اور اب تک کے تنظیم کے سالانہ اجتماعات کی رُودادیں بھی کتابی صورت میں شائع ہو جائیں۔ ہم اس کام میں اللہ کی توفیق و نصرت کے طلبگار ہیں۔

سیرتِ مطہرہ پر تقاریر اپریل کا مہینہ ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا شاید طویل ترین مصروفیت کا مہینہ ہے اور یہ سلسلہ وسط جون تک جاری رہتا نظر آتا ہے۔ مسجدِ شہداء میں منتخب نصاب کے درس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب نے سیرت کمیٹی ماڈل کی تجویز پر ماڈل ٹاؤن میں سیرتِ مطہرہ پر خطابات کا ایک سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے۔ انگریزی حروفِ تہجی کے لحاظ سے ماڈل ٹاؤن میں "I" کو چھوڑ کر "A" سے "K" تک دس بلاک ہیں۔ دس تقاریر ترتیب وار ہر جمعہ کو نمازِ مغرب کے بعد ہر بلاک کی جامع میں ہوا کریں گی۔ ۷ اپریل سے "A" بلاک کی جامع مسجد سے ان تقاریر کا آغاز ہو گیا ہے اور تادمِ تحریر A، B اور C بلاکوں کی جامع مساجد میں تین تقاریر ہو چکی ہیں۔ ہر اجتماع میں تین چار سو افراد کے مابین لوگ شریک ہوتے ہیں۔ ماڈل ٹاؤن کے ساکنین کا کہنا ہے کہ اس علاقے میں انتخابی مہم کے دوران میں بھی کسی جلسے میں اتنی حاضری

نہیں ہوئی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے۔ ان دس تقاریر کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) انبیاء کرامؑ کی بعثت کا عمومی مقصد ——— بلاک اے
(۲) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی انقلابی شان ——— بلاک بی
(۳) حیاتِ طیبہ کا مکی دور: دعوت، تنظیم، تربیت ——— بلاک سی

تادمِ تحریر تین جمعوں کو مندرجہ بالا تقاریر کی جا چکی ہیں

(۴) سیرتِ مطہرہ کا مدنی دور: جہاد و قتال اور تکمیلِ انقلاب ——— بلاک ڈی
(۵) رحمۃٌ للعالمین کی عالمی بعثت: عالمی انقلاب کی تمہید ——— بلاک ای
(۶) خلافت حضرت ابوبکر صدیقؓ: انقلابِ نبوی کا استحکام ——— بلاک ایف
(۷) خلافت حضرات عمرؓ و عثمانؓ: عالمی انقلاب کا سیلِ رواں ——— بلاک جی
(۸) خلافت حضرات علیؓ و حسنؓ اور مسلمانوں کی باہمی جنگ و جدال ——— بلاک ایچ
(۹) عام الجماعت تا امروز مسلمانوں کے عروج و زوال کے دو دور ——— بلاک جے
(۱۰) بعثتِ نبوی اور امتِ مسلمہ کا فرضِ منصبی ——— بلاک کے

یہ آخری تقریر قرآن اکیڈمی میں ہوگی۔

تعلیمی و تدریسی کورس | یہ پروگرام بھی پیشِ نظر تھا کہ یکم اپریل سے مسجد شہداء میں منتخب نصاب کے دروس کے ساتھ ہی قرآن اکیڈمی کے زیرِ اہتمام اکیڈمی میں صبح سے دوپہر تک کے اوقات میں • عربی صرف و نحو کی تعلیم • درسِ حدیث • درسِ قرآن پر مذاکرہ • دعوتی کتب کا مطالعہ اور تجوید و قرأت کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ اس کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا۔ یہ پروگرام ایک ہفتہ تک چلا، اس دوران میں اندازہ ہوا کہ عوامی نوع کے دروس و خطابات کے ساتھ تعلیمی و تدریسی پروگرام میں کافی عملی مشکلات پیش آتی ہیں۔ اس پروگرام کے لئے ڈاکٹر صاحب کو روزانہ دو ڈھائی گھنٹے وقف کرنے ہوتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان پر تکان بھی ہو رہی تھی اور گلا بھی متاثر ہو رہا تھا۔ پھر اس پروگرام میں شرکاء کی تعداد بھی توقع کے مطابق نہیں تھی۔ لہٰذا شرکاء کے مشورے سے اس کو منسوخ کر دیا گیا۔

اقامتی تربیت گاہ | البتہ یہ طے کیا گیا ہے کہ یکم جولائی سے ۳۱ جولائی تک ایک ماہ کی اقامتی تربیت گاہ رکھی جائے جس کے دوران ڈاکٹر صاحب خطاب جمعہ کے علاوہ

بقیہ صـ۶۳ پر دیکھئے

قسط ۶

ڈاکٹر اسرار احمد

شرک اور اقسامِ شرک

شرک فی الحقوق

(ترتیب و تدوین: جمیل الرحمٰن)

سلسلے کے لئے میثاق بابت جولائی - اگست
اکتوبر ۷۷ء اور جنوری، مارچ، اپریل ۷۸ء ملاحظہ فرمائیے۔

نگاہِ بازگشت میرے موضوع کا آخری حصہ "شرک فی الحقوق" باقی رہ گیا ہے جس پر مجھے اب گفتگو کرنی ہے۔ اس سے قبل

شرک فی الذات اور شرک فی صفات کے ضمن میں جو کچھ عرض کیا جاچکا ہے وہ درحقیقت قدرے تفصیلی اشارے ہیں۔ ان کا کما حقہ احاطہ آسان نہیں۔ شرک فی الصفات کے ذیل میں بعض اقسام کا ذکر رہ گیا ہے، جیسے جنّت پرستی — جس سے مراد سحر، شعبدے گنڈے ٹونے، ٹوٹکے رمل اور فال پر اعتماد ہے۔ عہدِ جدید میں یہ سب پرستشیں بھی موجود ہیں اور چند نئی بھی ایجاد ہوئی ہیں۔ بلکہ انہوں نے ایک سائنٹیفک علم کی حیثیت حاصل کر رکھی ہے، جیسے دست شناسی (پامسٹری)، علم الاعداد، اور ان کی تاثیر کا یقین — نجومیوں کی پیش گوئیوں پر اعتماد — یہ سب شرک فی الصفات ہی کی اقسام ہیں۔ اس نوع کے شرک کی شناخت کے اظہار کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کافی ہے، جس کا مفہوم ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "جس نے کسی نجومی کی بات کو سچ جانا اور اس کی تصدیق کی اس نے گویا میری تکذیب کی" (او کما قال رسول علیہ وسلم)

ماسوا یعنی مخلوق میں جو صفات، اوصاف اور خواص و تاثیر پائی جاتی ہیں۔ ان کی نفی

نہیں ہے - لیکن جب ان کو خدا کے مقابلے میں لائیں گے تو اس کی صحیح توجیہہ، تعبیر اور تاویل یہ ہوگی کہ خدا کا وجود بھی حقیقی صفات بھی حقیقی - لازوال، قدیم - اکمل - ماسوا یا مخلوق کا وجود وہمی و خیالی اور اس کی صفات بھی وہمی و خیالی - بلکہ معدوم کے درجے میں آجائیں گی جیسے نبی اکرمؐ نے دعائے استخارہ میں اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا: "اِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ" - حالانکہ ہر انسان کچھ نہ کچھ علم اور قدرت رکھتا ہے - لیکن اس کا علم اور اس کی قدرت اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کے مقابلے میں معدوم کے درجے میں آجائے گا -

اب آئیے شرک فی الحقوق کی طرف - ہمارے اعتقادات کا پرتو ہمارے اعمال پڑتا ہے اور اعمال عبادت ہے زندگی گزارنے اور بسر کرنے کے رویہ سے - لہٰذا اس موضوع کا ہماری زندگی کے ہر ہر لمحے سے تعلق ہے -

شرک فی الحقوق

میں نے اس تقریر کے بالکل آغاز میں شرک کی جو تین بڑی بڑی اقسام متعین کی تھیں ان میں سے آخری اور بہت ہی اہم قسم کے شرک پر اب گفتگو کا آغاز ہوتا ہے اور وہ ہے "شرک فی الحقوق" یعنی اللہ کے کسی حق میں کسی مخلوق کو شریک ٹھیرالیا جائے - اسی شرک کو میں نے "شرک فی العبادت" سے بھی موسوم کیا ہے - چونکہ انسان پر اللہ تعالیٰ کے جو بھی حقوق عاید ہوتے ہیں، اگر ان سب کو جمع کیا جائے اور ان کی ادائیگی کے لئے کوئی ایک لفظ اختیار کیا جائے تو وہ لفظ "عبادت" ہو گا - لہٰذا شرک فی الحقوق کی بحث میں ہمیں پہلے اسی لفظ "عبادت" کو قرآن حکیم سے سمجھنا ہوگا - یہاں اس پر تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں - لہٰذا میں چند اہم اشارات پر اکتفا کروں گا - ویسے خالص اسی موضوع پر میری ایک تفصیلی تقریر "دعوت بندگی رب" کے نام سے شائع ہو چکی ہے -

عبادت

عبادت کے ذیل میں پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے کہ اس کے دو پہلو ہیں، پہلا مثبت پہلو ہے جسے توحید فی العبادت کہا جائے گا - دوسرا پہلو منفی ہے جسے شرک فی العبادت کہا جائے گا - مثبت طرز عمل کا تقاضا یہ ہے - کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے لئے اپنی عبادت یعنی بندگی کو صرف اللہ ہی کے لئے خالص کرلے - منفی طرز عمل یہ ہوگا کہ اللہ کے حقوق میں سے کسی حق میں کسی دوسرے کو شریک ٹھیرالیا

جائے۔ اور عبادت کے مراسم میں کوئی رسم ماسوا کے لئے بجا لائی جائے۔ فی الحال میں نے یہ بات مجمل طور پر بیان کی ہے لیکن میں جب مختلف ذیلی عنوانات کے تحت اس اجمال کی کچھ شرح کروں گا تو مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ میری بات دو اور دو چار کے قاعدہ کلیہ کے طور پر آپ کی سمجھ میں آجائے گی۔

حقوق اللہ کی گفتگو سے قبل میں چاہتا ہوں کہ آپ "عبادت" کے ضمن میں چند باتیں ذہن نشین کر لیں۔

جن و انس کا مقصدِ تخلیق

پہلی یہ کہ از روئے قرآن حکیم جن و انس کا مقصدِ تخلیق عبادتِ ربّ ہے چنانچہ سورۃ الذّاریات میں فرمایا:-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○ (آیت ۵۶)

اور میں (اللہ) نے نہیں پیدا کیا جنّوں اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ وہ (سب کے سب صرف) میری ہی عبادت کریں۔

عہد و تجدیدِ عہد

دوسری یہ کہ ہم ہر دن پنج وقتہ نمازوں کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے ذریعہ اسی عبادتِ رب کا عہد اور اسی کی تجدید کرتے رہتے ہیں کہ إِيَّاكَ نَعْبُدُ "(اے پروردگار!) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے"۔ یہاں ترجمے میں، میں نے جو حصر کا اسلوب "تیری ہی" اختیار کیا ہے اور زمانی لحاظ سے حال و مستقبل دونوں کو شامل کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مفعول (إِيَّاكَ) کی تقدیم نے حصر کا مفہوم پیدا کر دیا ہے، نیز یہ کہ عربی زبان میں فعل مضارع زمانۂ حال و مستقبل دونوں کا احاطہ کرتا ہے۔ ضمنی طور پر یہ بات بھی جان لیجئے کہ ایک حدیث قدسی میں جو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے اللہ تعالیٰ نے اسی سورۂ فاتحہ کو الصلوٰۃ یعنی نماز قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس سورہ مبارکہ کی تلاوت ہر رکعت میں لازم ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس امر میں اختلاف ہے کہ نماز باجماعت میں صرف امام کی سورہ فاتحہ کی تلاوت تمام مقتدیوں کے لئے کفایت کرے گی یا امام کے پیچھے ہر

مقتدی کو بھی پڑھنی ہوگی۔ دونوں طرف قرآن حدیث سے اخذ کردہ مضبوط دلائل موجود ہیں۔ ـــــ مجھے جو بات یہاں خصوصی طور پر آپ کے ذہن نشین کرانی ہے وہ "عبادت" کی اہمیت ہے کہ جس کا ہر مسلمان سے ہر رکعت میں عہد لیا یا تجدید عہد کرایا جاتا ہے۔

تمام انبیاء و رُسُل کی دعوت کا نکتہ آغاز

تیسری بات یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ از روئے قرآن مجید تمام انبیاء و رُسل کی دعوت کا اساسی و بنیادی نکتہ یہی دعوتِ عبادتِ ربّ ہوتا ہے۔ ہر نبی و رسول اسی عبادت ربّ کے مطالبہ سے اپنی دعوت کا آغاز کرتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ بات ایک قاعدہ کُلیہ اور اصل الاُصول کے طور پر بھی متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہے نیز ہر نبی و رسول کی دعوت کے آغاز کے تذکروں میں بھی وارد ہوئی ہے۔ جن میں سے چند کا میں اس موقع پر حوالہ دوں گا۔

اصل الاُصول

اس اصل الاصول اور قاعدہ کلیہ کو سورہ حٰم السجدہ کی چودھویں آیت کے آغاز میں یوں بیان فرمایا:۔

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ	اور جب اُن کے آگے پیچھے پیغمبر
مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ	آئے اور اُن سے کہا کہ خدا کے
خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا	سوائے کسی کی عبادت نہ کرو۔
اِلَّا اللّٰهَ ؕ	

سورہ توبہ کی اکتیسویں آیت میں جہاں یہود و نصاریٰ پر اپنے احبار و رُھبان کو اربابًا من دون اللّٰہ بنانے کے شرک پر گرفت کی گئی ہے۔ جس پر میں ان شاءاللہ آگے روشنی ڈالوں گا وہاں یہ بھی فرمایا:۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا	حالانکہ اُن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ
اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ	خدائے واحد کے سوائے کسی کی عبادت
اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا	نہ کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود
يُشْرِكُوْنَ ۝ (۳۱)	(اِلٰہ) نہیں اور وہ (اللہ) پاک

ہے ان شریکوں سے جو یہ (مشرک) اس کے لئے ٹھہراتے ہیں۔

جن انبیاء ورسل کو لوگوں کی ہدایت کے لئے صحف وکتب دی گئیں تو ان میں یہی دعوت عبادت رب بنیادی واساسی حیثیت رکھتی تھی جیسا کہ سورہ البیّنہ کی پانچویں آیت کے آغاز میں فرمایا:۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا	اور ان کو یعنی پچھلے تمام رسولوں
اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ	اور ان کی امتوں کو، اس کے سوا
الدِّيْنَ حُنَفَآءَ	اور کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ

یکسو ہو کر اسی (اللہ) کے لئے اپنے دین (اطاعت) کو خالص کرکے اسی کی عبادت (بندگی) کریں۔

سورۂ الانبیاء میں نبی اکرمؐ کو خطاب کرکے انبیاء ورسل کی بعثت کی غایت ان الفاظ مبارکہ میں ارشاد فرمائی

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (آیت ۲۵)

"اور اے نبی! ہم نے پیغمبر بھی آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری ہی عبادت کرو"

یہ تو ہوا قاعدہ کلیہ اور اصل الاصول کے طور پر دعوت عبادت رب کا بیان۔ اب چند جلیل القدر انبیاء ورسل کی دعوت کا نکتہ آغاز کیا تھا۔ اس کو بھی قرآن مجید ہی سے سمجھ لیجئے۔

حضرت نوحؑ کی دعوت

سورہ الاعراف اور متعدد مکّی سورتوں میں نام بنام جن پیغمبروں کو دعوت اور ان کے حالات کا ذکر ہوا ہے، اس کا آغاز دعوت عبادت رب ہی سے ہوتا ہے۔ چنانچہ سورہ الاعراف میں حضرت نوحؑ کے تذکرے میں ارشاد ہوا کہ۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى	ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔
قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ	تو انہوں نے ان سے کہا اے میری
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ	قوم کے لوگو خدا کی عبادت کرو اس
اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط (آیت ۵۹)	کے سوا تمہارا کوئی معبود (الٰہ) نہیں ہے۔

یہی نکتہ آغاز حضرت ہود، حضرت صالح حضرت شعیب علیہم السلام کی دعوت کا بھی رہا ہے، جیسا کہ نہ صرف اس سورہ میں بلکہ دوسری متعدد سورتوں میں موجود ہے۔

حضرت ابراہیم کی دعوت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا جو ابوالانبیاء ورسل اور امام الناس ہیں۔

سورہ عنکبوت میں ان الفاظ میں ذکر فرمایا :-

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ط (آیت ۱۶) اور ابراہیمؑ کو (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو۔

حضرت یعقوبؑ کی وصیت حضرت یعقوب علیہ السلام نبی کے بیٹے تھے ان کی اولاد بھی مومن ومسلم اور موحد تھی۔ اسی اولاد سے بنی اسرائیل کی نسل پھیلی۔ آں حضورؑ نے بستر مرگ پر اپنی اولاد کو اسی عبادت رب کی تاکید اور وصیت فرمائی اور اسی کا ان کی اولاد نے عہد کیا جس کا تذکرہ سورۃ البقرہ کی ۱۳۳ ویں آیت کے آخر میں بایں الفاظ مبارکہ موجود ہے۔

اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ	جب انہوں (یعقوبؑ) نے اپنے
مِنْۢ بَعْدِيْ ط قَالُوْا نَعْبُدُ	بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد کس
اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ	کی عبادت کروگے تو انہوں نے
اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ	جواب دیا کہ آپکے معبود اور آپ
وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا	کے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ
وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ o	اور اسحٰقؑ کے معبود (اللہ) کی عبادت

کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔

حضرت یوسفؑ کی دعوت حضرت یوسف علیہ السلام نے جن کو اللہ تعالےٰ نے اپنے خصوصی فضل سے مصر میں تمکن فی الارض عطا کیا تھا جس کے باعث حضرت یعقوبؑ اور ان کی آل اولاد مصر میں جاکر آباد ہوئی تھی، جیل میں خواب کی تعبیر معلوم کرنے والے دو قیدیوں کے سامنے حضرت یوسفؑ نے اسی عبادت رب کی دعوت اس طرح پیش فرمائی :-

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ	جن چیزوں کی تم خدا کو چھوڑ کر

اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ	پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ	نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ
اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ	اجداد نے رکھ چھوڑے ہیں۔ اللہ
سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ	نے ان کے لئے کوئی سند نازل
اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا	نہیں کی (اس کا فرمان تو یہ ہے کہ)
اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ	اللہ کے سوا کسی کی حکومت (حاکمیت)
الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ	نہیں۔ اُسی نے ارشاد فرمایا کہ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝	اس کے سوا کسی عبادت نہ کرو
(آیت ۴۰)	یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر

لوگ اس حقیقتِ کبریٰ) کو نہیں جانتے۔

حضرت موسیٰؑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پہ وادی ایمن میں اللہ تعالیٰ نے شرف ہم کلامی عطا کرتے ہوئے اور آں حضورؑ کو شرف نبوت سے سرفراز فرماتے ہوئے اسی عبادتِ رب کا حکم دیا۔ سورہ طٰہٰ میں اس کا ذکر بہ ایں الفاظ مبارکہ موجود ہے۔

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ	(اے موسیٰ) بلاشبہ میں ہی اللہ
اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ	ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود (الٰہ)
اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ	ہے ہی نہیں۔ پس میری ہی عبادت
(آیت ۱۴)	کرو اور میری یاد کے لئے نماز
	قائم رکھو۔

بنی اسرائیل کو دعوت بنی اسرائیل ہی وہ قوم ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے سارے عالم میں سے منتخب فرماکر فضیلت عطا کی کہ اُسے صاحب شریعت امت ہونے کے شرف سے نوازا۔ جیسا کہ سورہ البقرہ میں فرمایا: يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ط (۴۷) چنانچہ اس فضل و شرف سے نوازنے کے ساتھ ان کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ان سے بہ

عہد لیا گیا کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کریں گے ان کی بندگی صرف اللہ ہی کے لئے ہوگی۔ اس عہد و میثاق کا اسی سورہ البقرہ میں بہ ایں الفاظ مبارکہ ذکر ہے کہ:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ ﴿آیت ۸۳﴾	اور (یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔

بنی اسرائیل کو یہ بھی تنبیہ کردی گئی کہ وہ اللہ کے سوا کوئی اور کو اپنا وکیل کارساز، حمایتی اور حامی نہ بنائیں۔ چنانچہ اس بات کو سورہ بنی اسرائیل میں الفاظ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ط (آیت ۲)	اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت مقرر کیا تھا کہ میرے سوائے کسی اور کو کارساز نہ ٹھہرانا۔

حضرت عیسیٰؑ کی دعوت

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بنیادی دعوت کا جو اعلان حضرت مریم کی آغوش یا مہد میں طفولیت کے بالکل ابتدائی دور میں کیا تھا۔ اس کا سورہ مریم میں بہ ایں الفاظ تذکرہ موجود ہے:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ط اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿آیت ۳۰﴾	اس (بچہ) نے کہا کہ میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا ہے۔

اسی مضمون کو اسی سورہ مریم کی آیت ۳۶ میں حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے یوں ادا کرایا گیا۔

وَاِنَّ اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ ط ھٰذَا	اور بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے لہٰذا اسی کی بندگی

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥ کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

سُورہ کہف اور ابطالِ شرک

اس موقع پر میں آپ کی توجہ پھر سورہ کہف کی طرف مبذول کراؤں گا۔ پہلے تو یہ جان لیجئے کہ اس سورہ مبارکہ کی فضیلت میں احادیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک محفوظ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اس سورہ مبارکہ کی بالخصوص اس کے اوّل و آخر کے رکوعات کی تلاوت کو معمولات میں داخل رکھنا یا خاص طور پر ہر جمعہ کو اس کی تلاوت کو کرنا تلاوت کرنے والوں کو دجالی فتنہ سے محفوظ رکھنے کا باعث ہوگی۔ نبی اکرمؐ کی یہ ہدایت عظیم ترین حکمت پر مبنی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورہ مبارکہ میں انتہائی بلاغت و فصاحت کے ساتھ شرک کی اُن تمام اقسام کی تردید موجود ہے۔ جن کا میں نے اپنی اس تقریر کے آغاز میں ذکر کیا تھا۔ شرک فی الصفات کے ذیل میں اللہ کو چھوڑ کر مادی اسباب و وسائل پر تکیہ کر لینے کے شرک کا بیان پانچویں رکوع میں گزر چکا ہے۔ جس کا میں تفصیل سے ذکر کر چکا۔ شرک فی الذات کی تردید سورۃ کے آغاز میں آیت ۴-۵ میں کر دی گئی، فرمایا:

وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا	اور ان لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے
اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ٥ مَا	ہیں کہ خدا نے بیٹا بنالیا ہے۔ ان
لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا	کو اس بات کا کچھ بھی علم نہیں
لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً	اور نہ ان کے باپ دادا کو تھا۔
تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ	یہ بڑی ہی سخت بات ہے جو ان
اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ٥	کے منہ سے نکل رہی ہے۔ جو کچھ یہ
	کہتے ہیں وہ محض جھوٹ ہے۔

اور سورہ مبارکہ کی اختتام پر آخری آیت میں مسلمانوں کو اس عریاں ترین اور انتہائی گھناونے شرک سے محفوظ رکھنے کے لئے کہ جس کا ارتکاب نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ ابن مریم کو خدا کا بیٹا بنا کر کیا تھا ایک لا متبدل ہدایت بھی دے دی گئی اور شرک فی العبادت سے بھی اپنے دامن کو بچانے اور توحید فی العبادت پر جمے رہنے کی تاکید کر دی گئی۔ فرمایا

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ	(اے نبی) کہہ دیجئے کہ میں تمہاری

يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝

طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے۔ پس جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے (اُسے) چاہیئے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

(آیت ۱۱۰)

حضرت محمدؐ کی دعوت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کی شان یہ ہے کہ حضور خاتم النبیین والمرسلین تو ہیں ہی ساتھ ہی آپ کی ذاتِ گرامی پر نبوت و رسالت کی تکمیل بھی ہوئی اور اتمام بھی ہوا۔ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۔۔۔ اور جن کا عہدِ رسالت تاقیام قیامت تمام بنی نوعِ آدم کے لئے جاری و ساری رہے گا۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۝ "اور نہیں بھیجا ہم نے اے نبی آپ کو مگر تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر" حضورؐ کو بھی قرآن حکیم میں اللہ تعالےٰ نے اسی عبادتِ ربّ کی تاکید فرمائی ہے۔ جس کے لئے میں قرآن مجید کی چند آیات ابھی پیش کروں گا۔ لیکن اس موقع پر ایک بات جان لیجئے کہ قرآن حکیم میں جہاں نبی اکرمؐ کو خطاب فرما کر کوئی حکم دیا جاتا ہے، وہاں عموماً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے پوری اُمّت اس حکم کی مخاطب ہوتی ہے البتہ۔ بعض مقامات ایسے ہیں جن کے مخاطب صرف نبی اکرمؐ ہی ہیں اور یہ بات آیات کے نظم اور سیاق و سباق سے واضح ہو جاتی ہے۔

اب آیئے اور دیکھئے کہ نبی اکرمؐ کو اور حضورؐ کے توسط سے اُمّت کو عبادتِ ربّ کی دعوت کن کن اسالیب سے دی گئی ہے تمام اسلوبوں کے تذکرے کا موقع نہیں لہذا میں چند حوالے دینے پر اکتفا کروں گا۔

سورہ الرعد کی چھتیسویں آیت کے آخر میں فرمایا:۔

قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ

(اے نبی) کہہ دیجئے کہ مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ میں اللہ ہی کی عبادت

بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ — کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اُسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔

سورہ الحجر کے آخر میں حکم دیا :-

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ (آیت ۹۹) — اور (اے نبی!) اپنے پروردگار کی عبادت کئے جاؤ تک کہ آپ کی موت (کا وقت) آجائے۔

سورہ النمل میں فرمایا ۔

اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ (آیت ۹۱) — (اے نبی کہہ دیجئے کہ) مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اس (شہر مکہ) کو محترم بنایا ہے اور اسی کی (ملکیت) ہے ہر چیز۔ اور مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں اسی کے فرماں بردار بنوں ۔

سورہ الزمر میں فرمایا

قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۱ - ۱۲) — (اے نبی) کہہ دیجئے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں خدا کی عبادت کروں اس کے لئے اطاعت کو خالص کرکے ۔ اور مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں سب سے اوّل فرماں بردار (مسلم) ہوں ۔

اسی سورہ مبارکہ میں آگے فرمایا۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ — (اے نبی) کہہ دیجئے کہ میں اپنے

دِيْنِيْ ۝ (۱۴) دین (اطاعت) کو شرک سے خالص کرکے (صرف) اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔

نصِ قطعی اور حجّت قاطع کے طور پر اسی سورہ میں فرمایا۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (۶۴ - ۶۵ - ۶۶)

(اے نبی) کہہ دیجئے کہ نادانو! تم مجھے مشورہ دیتے ہو کہ میں غیر اللہ کی پرستش کرنے لگوں اور (اے نبی) آپ کی طرف اور ان (رسولوں) کی طرف جو آپ سے پہلے آچکے ہیں یہی وحی بھیجی جاتی رہی ہے کہ اگر تم نے (اللہ کے ساتھ) شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہوجائیں گے اور تم زیاں کاروں میں ہوجاؤ گے۔ بلکہ (اے نبی) آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اور شکر گزاروں میں سے بنیں۔

اُمّتِ محمد ﷺ کو دعوت

اب چند وہ آیات بھی سُن لیجئے۔ جن میں اُمّتِ محمد علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کو براہ راست عبادتِ ربّ کا حکم دیا گیا ہے

سُورہ بنی اسرائیل کی تیسویں آیت میں ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر ہدایت دی گئی۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ

اور تمہارے ربّ نے (انسانوں کے لئے) فیصلہ کردیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت (بندگی) نہ کرنا۔

سُورہ النسآء کی چھتیسویں آیت کے آغاز میں فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا۔

اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔

سُورہ حج میں فرمایا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

اے ایمان لانے والو! رکوع کرو

ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا	اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت
رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ	(بندگی) کرو اور بھلائی کے کام کرو
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝	تاکہ تم فلاح پاؤ۔

آیت ۷۷)

سورہ حج کا آخری رکوع ہمارے منتخب قرآنی نصاب میں شامل ہے لہٰذا اس آیت پر تفصیلی گفتگو اس درس میں ہوتی ہے۔ یہاں یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ رکوع وسجود کا حکم دینے کے بعد جو دراصل فرض عبادات کے لئے بطور علامت یہاں اختیار کیا گیا ہے۔ "عبادت" کا علیحدہ حکم دیا گیا۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پوری زندگی اللہ کی بندگی کے تحت بسر کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور فلاح وکامرانی کو ان احکام کے ساتھ مشروط کیا جا رہا ہے[1]

قرآن کی آفاقی دعوت

قرآن مجید میں بنی نوع انسان کو خطاب کر کے جو آفاقی دعوت دی گئی ہے۔ وہ بھی یہی دعوتِ عبادتِ رب ہے۔ چنانچہ سورہ البقرہ کی اکیسویں آیت میں فرمایا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا	اے بنی نوع انسان! عبادت
رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ	(بندگی) کرو اپنے اس پروردگار
وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ	کی جس نے تم کو اور تم سے پہلے
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝	لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اس کے عذاب سے بچ سکو)

قرآن مجید کے نزول کی غایتوں میں سے ایک اہم نہایت دعوتِ عبادت رب بھی ہے۔ چنانچہ سورہ ہود کا آغاز ہی اس حقیقت کبریٰ سے ہوا۔ فرمایا۔

الۤرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ	الرا! یہ (قرآن) وہ کتاب ہے
ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ	جس کی آیات (پہلے) مستحکم کی گئیں
حَكِيْمٍ خَبِيْرٍۙ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا	اور پھر خدائے حکیم وخبیر کی خاص
اِلَّا اللّٰهَ ط اِنَّنِيْ لَكُمْ	اس کی جانب سے ان کی تفصیل

---

[1] اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب موصوف کے خطاب "دعوتِ عبادت" کا مطالعہ مفید مطلب ہوگا جو ——— مطالباتِ دین ——— نامی کتاب میں شامل ہے۔ (مرتب)

مِنۡہُ نَذِیۡرٌ وَّبَشِیۡرٌ ؕ (آیت ۱-۲)

کی گئی (جس میں یہ بھی شامل ہے) کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو (اور اے نبی کہہ دیجئے کہ) میں اس (اللہ) کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے اور خوش خبری دینے کے لئے (آیا) ہوں۔

یہی بات سورہ الزمر کے آغاز میں ارشاد فرمائی:۔

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ۝ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ؕ (آیات ۱-۲)

اس کتاب (قرآن) کی تنزیل خدائے غالب و دانا کی طرف سے ہے (اے نبی)، ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے پس آپ اپنے دین (اطاعت) کو اسی کے لئے خالص کر کے صرف اُسی کی عبادت کریں۔

میں نے ترجمے میں عموماً "دین" کے ساتھ "اطاعت" بھی شامل کیا ہے۔ دراصل قرآن کی اصطلاح میں دین کے معنی میں اطاعت بھی شامل ہے۔ تفصیل کے لئے میری ایک تقریر "فریضہ اقامت دین" کے موضوع پر ہو چکی ہے اور ان شاء اللہ جلد چھپ جائے گی۔[1]

پس ان آیات سے یہ بات بالکل منقح اور مبرہن ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ مثبت طور پر اللہ کا انسانوں پر سب سے بڑا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ دوسرے تمام حقوق دراصل اسی عظیم حق کی فروع ہیں۔ جیسا کہ میں ان شاء اللہ آگے واضح کروں گا۔ اس طرزِ عمل کا نام ہے۔ توحید فی العبادت۔

ظلم عظیم

منفی طرزِ عمل یعنی شرک فی العبادت یہ ہے کہ اللہ کے کسی حق میں کسی اور کو شریک کر لیا جائے۔ یہ طرزِ عمل اللہ کے ساتھ عظیم ترین ظلم کا رویّہ ہے۔ اس تعالیٰ کی سب سے بڑی حق تلفی، اس کے ساتھ سب سے بڑی ناانصافی اور اس کی جناب میں سب سے بڑی گستاخی یہی ہے کہ اس تعالیٰ کی عبادت (یعنی اس تعالیٰ کے حقوق) میں کسی اور کو شریک کر لیا جائے۔ کسی اور کو اس کا ہمسر، اس کا ندّ، اس

اس کا ہم کفو اور اس کا ہم جنس تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ سورہ لقمان میں حضرت لقمان کی نصائح میں جو وہ اپنے بیٹے کو کر رہے تھے ارشاد کیا گیا۔

یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ (آیت ۱۳)	اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا بے شک شرک بہت ہی بڑا ظلم ہے۔

لفظ عبادت کی اہمیت

اس تمام گفتگو کا خلاصہ یہ نکلا کہ لفظ "عبادت" ہمارے دین کی ایک عظیم ترین اصطلاح ہے جس کو اچھی طرح سمجھے اور جانے بغیر دین کا صحیح و حقیقی مفہوم واضح نہیں ہو سکتا۔ میں اس لفظ کے لغوی اور اصطلاحی معانی و مفاہیم کے بارے میں اپنی ایک تقریر "دعوت بندگیٔ ربّ" میں کر چکا ہوں، جس کا میں پہلے بھی حوالہ دے چکا۔ یہاں بس اتنا سمجھ لیجئے کہ لغت کے اعتبار سے لفظ عبادت میں کسی کے سامنے مطیع و منقاد ہو جانے، کسی کے سامنے عجز و عاجزی کے ساتھ بچھ جانے اور پست ہو جانے کا مفہوم شامل ہے۔ جس کے مترادف لفظ ہو گا۔ اطاعت ــــ لیکن یہ اطاعت مجبوراً اور اپنی مرضی کے خلاف بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا جب یہ لفظ لغوی اصل سے اٹھ کر دین کی اصطلاح بنتا ہے تو اس میں ایک دوسرا جزو لازماً شامل ہو جاتا ہے اور وہ ہے "محبت اور شوق کا جذبہ" ــ کمالِ محبت و شوق کے ساتھ اللہ کے آگے اپنے آپکو بچھا دینا۔ اس رویّے سے از روئے قرآن عبادت کا حقیقی مفہوم ادا ہو گا۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لفظِ عبادت کی یہی تعریف کی ہے۔

جسم و روح کی مثال

لہٰذا دینی اصطلاح کے لحاظ سے لفظ "عبادت" کا مفہوم پوری زندگی میں کمالِ محبّت و شوق کے ساتھ کامل اطاعت معین ہوا۔ اب اِن دونوں اجزا کی باہمی نسبت کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کو اس مثال سے ذہن نشین کیجئے کہ اطاعت ایک جسم کے مانند ہے اور محبت اس کی روح ہے جو نظر نہیں آتی لیکن حقیقت میں روح ہی وہ چیز ہے جس کی بدولت ہمارا یہ وجود زندہ اور قائم ہے۔ اگر روح نکل جائے تو ہمارا یہ جسم منتشر ہو جائے گا۔ لیکن جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ یہ تن و توش ہے، یہ جسم ہے۔ روح نظر نہیں آتی۔ عبادت میں اطاعت و محبت کے دو اجزا کی یہی نسبت ہے جو روح اور جسم میں ہے۔ عبادت کا جسد

ظاہری پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت ہے ۔ بلا چون وچرا اطاعت، اس طرح کی اطاعت جیسے ایک غلام، ایک بندہ، ایک عبد ایک (SLAVE)، ایک مملوک اپنے آقا کی کرتا ہے ۔ ایک غلام زندگی کے ہر معاملے اور ہر گوشے میں اپنے آقا کا مطیع فرمان ہوتا ہے ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کلی اس رویّے کا نام ہے کہ بندہ اپنی زندگی کے ہر پہلو کو اپنے خالق، اپنے مالک اور اپنے پروردگار کی مرضی کے تابع بنادے، اس کی اپنی آزادی، اپنی خود مختاری، اپنی پسند اور ناپسند، اپنی چاہت کوئی نہ رہے ۔ یہ سب اللہ کی مرضی اور رضا کے تابع ہوجائیں — وہ خود بھی مملوک اور اس کی ہر شے، جس میں مال ومنال جسم وجان کی توانائیاں اور صلاحیتیں بھی شامل ہیں کوئی چیز بھی اس کی ذاتی ملکیت نہیں ۔ یہ اطاعت کی حقیقی شان اور اس کے لازمی تقاضے ہیں ۔ لیکن اگر یہ اطاعت مارے باندھے کی ہوگی ۔ مجبوراً ہوگی، خلاف مرضی ہوگی تو پھر یہ دنیا کی عام غلامی کے مانند محض ایک غلامی ہوگی ۔ جس کے باعث تحت الشعور میں مالک سے محبت اور تعلق خاطر کے بجائے، کراہیت بلکہ نفرت وعداوت نے ڈیرے جمار کھے ہوں گے ۔ الاّ ماشاء اللہ

لیکن اگر اطاعت کے ساتھ محبت کا جذبہ پیدا ہوگا ۔ اللہ کی بزرگ ترین ہستی کے لئے ذہن وقلب میں احترام اور عظمت وتعظیم کا جذبہ گھر کرے گا اور اطاعت اس جذبۂ محبت، احترام، عظمت اور عقیدت کے تحت ہوگی تو اس کی شان ہی نرالی ہوتی ہے اور یہی حقیقی عبادت قرار پاتی ہے اور ایسے فرماں بردار اور مطیع لوگ بارگاہِ خداوندی سے عبادُالرحمٰن اور اولیاء اللہ اور انصار اللہ جیسے معزز ترین القاب وخطابات سے سرفراز کئے جاتے ہیں ۔ کامل اطاعت کمال محبت کے ساتھ ہی دراصل قرآن حکیم کا مطالبہ ہے ۔ جس کو قرآن مجید بایں الفاظ پیش کرتا ہے کہ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ اور اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ ط اور یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ ۔ اور وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ ۔

توحید فی الاطاعت

اب جبکہ عبادتِ ربّ کے یہ دو اجزا "اطاعت کلی" اور "کمال محبت" واضح طور پر ہمارے سامنے آگئے تو اب پھر الجبرا کے فارمولے کی طرح چند اہم حقائق کو سمجھ لیجئے ۔

اطاعت میں توحید یہ ہے کہ اطاعت مطلق صرف اللہ کی ہوگی — رسُول کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے چونکہ انسانوں تک اللہ کا دین (نظام اطاعت) رسُول ہی کے واسطے سے پہنچایا جاتا ہے۔ رسول اس دنیا میں اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ اور رسُول کی اطاعت ایک وحدت ہے۔ اس کے لئے قرآن حکیم سے بیشمار دلائل دیئے جاسکتے ہیں لیکن میں چند حوالے دینے پر اکتفا کروں گا۔ سُورہ النساء میں بطور قاعدہ کلیہ فرمایا :-

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (آیت ۶۴)	اور ہم نے رسولوں میں سے جس کو بھی بھیجا ہے تو اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے

اور اسی سُورہ مبارکہ میں اس کو یہ فرما کر مزید موکد کیا :-

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (آیت ۸۰)	جو شخص، رسول کی اطاعت کرے گا تو بلا شبہ اس نے خدا کی اطاعت کی۔

چنانچہ قرآن حکیم میں تعدادِ آیات کے لحاظ سے ایسی آیات کم ہیں جن میں صرف اللہ کی اطاعت کا حکم ہے۔ ورنہ اکثر مقامات پر اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ ہی رسول کی اطاعت کا بھی حکم ملے گا۔ چند آیات سن لیجئے۔ سُورہ محمد میں فرمایا :-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۝ (آیت ۳۳-)	اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسُول (جناب محمدؐ) کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ ہونے دو۔

سُورہ المائدہ کی آیت بانویں کے آغاز میں فرمایا

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ	اور اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اطاعت کرو اور (اللہ کی پکڑ سے) ڈرتے رہو۔

سورۃ النور کی چونویں ۵۴ آیت کے آغاز میں نبی اکرم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ج (اے نبی!) کہہ دیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو

سورہ آل عمران میں فرمایا :-

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ہ (آیت ۳۲) (اے نبی) کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم نے (اس اطاعت سے) روگردانی کی تو بیشک اللہ تعالیٰ بھی کافروں کو پسند نہیں فرمایا۔

اس آیت کریمہ کے ضمن میں یہ اصول بھی سامنے آگیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کفر صریح ہے۔ مزید براں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اطاعت کے اعتبار سے اللہ اور رسول ایک وحدت ہیں۔ یہی صورت حال محبت کے معاملے بھی نظر آئے گی جیسا کہ میں اس بارے میں گفتگو کے موقع پر واضح کروں گا۔ اطاعتِ رسول کی اہمیت کو اس اصول سے بھی سمجھئے کہ رسول دین و شریعت کے باب میں جو بھی ہدایت اپنے قول و عمل سے دیتا ہے وہ من جانب اللہ ہوتی ہے۔ اپنی مرضی اور پسند اور اپنی رائے سے دین و شریعت کے معاملے کوئی حکم نہیں دیتا۔ جیسا کہ سورۃ النجم کی تیسری اور چوتھی آیت میں واضح کر دیا گیا۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ہ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ہ اور (ہمارا یہ رسول) نہ اپنی خواہش نفس سے منہ سے (کوئی) بات نکالتے ہیں۔ (بس) وہی کہتے ہیں جو (فرمانِ خداوندی) ان پر بذریعہ وحی بھیجا جاتا ہے۔

رسول کی اطاعت کی فرضیت کو دو صحیح احادیث سے بھی سمجھ لیجئے۔ پہلی حدیث میں حضور نے فرمایا :-

وَمَنْ اَطَاعَنِيْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اور جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور

عَصَى اللّٰهَ ۔ | جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی ۔

دوسری حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ ۔ | تم سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس ہدایت کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں ۔

یہ ہدایت قرآن مجید، فرقان حمید بھی ہے اور سُنّت رسول بھی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ۔

اپنی زندگی میں اللہ اور رسول کی کامل اطاعت کا رویہ اور طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کے لئے اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں جو بشارتیں دی ہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے بھی چند آپ کے سامنے پیش کر دوں ۔

سُورہ النساء میں شریعت کا قانون وراثت بیان کرنے کے بعد فرمایا ۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (آیت ۱۳) | یہ (تمام) اللہ تعالےٰ کی حدود (احکام) ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا ۔ اللہ اس کو جنت کے باغات میں داخل کرے گا ۔ جن کے دامن میں نہریں رواں ہیں وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اور یہی (دراصل) بڑی کامیابی ہے ۔

اسی سورہ مبارکہ میں منعم علیہم کی تشریح کرتے ہوئے کہ جن کے راستے پر چلنے کی ہم ہر نماز میں سُورہ فاتحہ کی تلاوت میں اللہ سے ہدایت طلب کرتے ہیں ۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں کو ان منعم علیہم کی رفاقت کی بشارت دی گئی فرمایا :۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ | اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (آخرت

أَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ ۚ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا ۝ (آیت ۶۹)

ہیں، ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا (یعنی) نبیین، اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور ان (انعام یافتہ) لوگوں کی رفاقت کیا ہی خوب اور عمدہ رفاقت ہے۔

سورہ احزاب کی اکہترویں آیت کے آخر میں جو خطبہ نکاح میں بھی پڑھی جاتی ہے فرمایا: وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ط سورہ آل عمران کی ایک سو بتیسویں آیت میں اللہ کے دامنِ رحمت میں پناہ حاصل کرنے کا جو طریقہ تعلیم دیا گیا ہے، وہ یہی اللہ اور رسول کی اطاعت ہے، فرمایا: وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝

ایک ضروری وضاحت

اب تک کی گفتگو سے ایک مغالطہ لاحق ہونے کا امکان ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کے علاوہ کسی دوسرے کی اطاعت کی گنجائش کہاں باقی رہی — ! یہ بات نہیں ہے۔ حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ اجتماعی زندگی میں اطاعت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے، اس میں اس مغالطے کی گنجائش سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ دوسری اطاعتوں کی کامل نفی نہیں ہے۔ بلکہ اصل الاصول یہ ہے کہ ساری اطاعتیں اللہ اور رسول کی اطاعت کے تابع ہوں گی۔ اور اطاعتِ مطلقہ صرف اللہ اور رسول کی ہو گی۔ اطاعت اور انفرادی و اجتماعی زندگی کا ہر وہ مسئلہ جس رائے کا اختلاف ہو یا کوئی کوئی تنازع درپیش ہو اس کو آخری و قطعی فیصلے کے لئے اللہ اور رسول کی ہدایات کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہاں سے ہدایت و رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ اس بات کو سورۂ النساء میں بالکل واضح منقح اور مبرہن کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ ۚ

اے ایمان لانے والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں سے صاحبِ امر

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ۠ (آیت ۵۹)	ہیں۔ پھر اگر کسی بات میں تم میں (اور صاحبان امر میں) کسی بات میں اختلاف و نزاع واقع ہو جائے تو اس (بات) کے (فیصلے کے لئے) اللہ اور رسول کی (ہدایات و احکامات کی) طرف

رجوع کرو۔ اگر تم (واقعی) اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی طرز عمل بہتر ہے اور انجام کار کے لحاظ سے بھی احسن ہے۔

اولی الامر اولوالامر بڑی وسیع المعانی اصطلاح ہے۔ اس میں معاملات حکومت و ریاست کے دائرے سے لے کر ملائق زندگی کے دائرے تک وہ تمام اشخاص اور ادارے آجاتے ہیں جو کسی حیثیت سے بھی صاحب امر ہوں — یہاں یہ مغالطہ لاحق نہ ہو کہ اگر کفار و مشرکین کسی ریاست کے حاکم علی الاطلاق ہوں یا مسلمانوں ہی کے ہاتھوں کاروبار حکومت و ریاست اللہ اور رسول کی اطاعت سے یکسر آزاد اور لادینی (SECULAR) نظریہ حیات کے تحت چلایا جا رہا ہو تو وہ بھی ہر حال میں واجب الاطاعت ہیں اور وہ بھی اولی الامر کے دائرے میں آجائیں گے جیسا کہ ہمارے بعض علماء نے جن کو علمائے سو ہی کہا جا سکتا ہے انگریز کی اطاعت کے جواز کے فتوے دیئے اور پہلی جنگ عظیم میں سقوط بغداد اور مشرق وسطی پر انگریزوں کی کامیابی پر مسرت اور مبارکباد کی قراردادیں پاس کیں۔ یا یہ کہ مسلمان حکمرانوں کے قائم کردہ لادینی نظام حیات (SECULARISM) کو سند جواز بخشی۔ اگر ایسی صورت حال ہو تو اس کے لئے بھی قرآن حکیم میں ہدایت و راہنمائی موجود ہے تفصیل کا موقع نہیں اشارۃً عرض کرتا ہوں کہ ایسے نظام میں ان قوانین و ضابطوں کی حد تک پابندی کی جائے گی جو دین سے متصادم نہ ہوں۔ ساتھ ہی دعوت و تبلیغ کے ذریعے ان حالات کو بدلنے کے لئے مال و منال اور جسم و جان کی ساری توانائیاں، قوتیں اور صلاحیتیں صرف کی جائیں گی اور ایک ایسی جماعت منظم کرنے کی کوشش کی جائے گی جو اس نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کی سعی و جہد ہی کو مقصد زندگی بنائے۔ ایسے ماحول میں کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ چین اور آرام سے زندگی

گزارتا رہے اور اسی میں پھلنے پھولنے معیار زندگی بلند کرنے اور اعلیٰ مقام و منصب کے حصول میں کوشاں رہے۔ یہ طرزِ عمل حرام ہے، قطعی حرام ہے اللہ کے ساتھ کفر ہے۔ بغاوت ہے۔ یہ وہی طرزِ عمل ہے، جس کا سورہ البقرہ میں یہود پر قرار داد فردِ جرم عاید کرتے ہوئے بایں الفاظ ذکر فرمایا گیا۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ "اے گروہ یہود! یہ کیا (طرزِ عمل) ہے کہ تم کتاب (اللہ) کے بعض احکام تو مانتے ہو اور بعض کا انکار کر دیتے ہو؟ پس تم میں سے جو یہ حرکت کریں۔ ان کی سزا اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ دُنیا کی زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں ڈال دیئے جائیں"۔

مزید برآں یہ بات پیشِ نظر ہے کہ سورہ النساء کی آیت نمبر ۵۹ کا ابھی میں نے جو حوالہ دیا ہے، وہاں اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فرمایا ہے۔ اس موقع پر یہ اہم ترین نکتہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ اور رسول کی اطاعت کے حکم لیے دو مرتبہ "اَطِيْعُوْا" ارشاد فرمایا اور "اولی الامر منکم" کے ساتھ اس حکم کا اعادہ نہیں کیا گیا۔ یہ قرآن کے نظم کا اعجاز بھی ہے اور یہ اس بات کی دلیلِ قطعی اور حجّتِ قاطع بھی ہے کہ تمام دوسری اطاعتوں کا اللہ اور رسول کی اطاعت کے تابع ہونا لازمی و لابدی ہے۔

اطاعت کے دوسرے دائرے

پس معلوم ہوا کہ دوسری اطاعتوں کی نفی نہیں ہے البتہ وہ مشروط ہیں۔ جس طرح خدا کے سوا مخلوق کی حیات، وجود، قدرت، سماعت و بصارت اور علم کی کامل نفی نہیں ہے ان سب کا اثبات ہے۔ البتہ اس میں محدودیت ہے اور یہ صفات اللہ کی صفات کے مقابلے میں معدوم کا درجہ رکھتی ہیں اسی طریقے سے مخلوق میں سے دوسروں کی اطاعت کا اثبات ہے۔ والدین کی بھی اطاعت ہوگی۔ خاندان، برادری، قبیلہ اور قوم کے بزرگوں کی بھی اطاعت ہوگی۔ علمائے حق اور مشائخ و مرشدین ربّانی کی بھی اطاعت ہوگی۔ استادوں اور معلموں کی بھی اطاعت ہوگی بیوی اپنے شوہر کی اطاعت کرے گی، الغرض جو بھی ہم میں سے کسی حیثیت سے

بھی صاحب امر ہوگا، اس کی اطاعت کی جائے گی - نماز میں امام کی اطاعت کی جائے گی - اطاعتوں کا ایک طویل نظام ہے جو ہمارے دین میں پھیلا ہوا ہے لیکن جب اللہ کے مقابلے میں اطاعت رکھی جائے گی تو اطاعت مطلقہ صرف اُس تعالیٰ کی کی جائے گی - اُس کے لئے کوئی حدود نہیں اور کوئی قیود نہیں - بقیہ تمام اطاعتیں محدود بھی ہیں، مقید بھی ہیں اور مشروط بھی ہیں۔ اللہ کی اطاعت کے ساتھ - صرف اس دائرے میں دوسروں کی اطاعت ہوگی، جس میں اللہ کی اطاعت سے تصادم نہ ہو - اور جواز روئے دین معروف کا درجہ رکھتی ہو - اسی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان سے بھی ذہن نشین کر لیجئے - حضورؐ نے فرمایا کہ: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ - "نہیں ہے اطاعت کسی بھی مخلوق کی، جس (اطاعت) سے الخالق (اللہ) کی نافرمانی ہوتی ہو" یہ ہے وہ کانٹے کی بات جسے میں الجبر کے فارمولے سے تعبیر کرتا ہوں —— اس حدیث کی اہمیت کو صرف ونحو کے قاعدے سے بھی جان لیجئے - اس کے شروع میں نفی کے لئے جو "لا" آیا ہے یہ عربی گرامر کی رو سے لا نفی جنس کہلاتا ہے یعنی ہر نوع اور ہر قسم کی وہ اطاعت جو خالق کی معصیت کا موجب ہو ہرگز ہرگز نہیں کی جائے گی - اسی طرح یہاں مخلوق کو نکرہ لایا گیا ہے - اس نے ہر قسم کی مخلوق کا احاطہ کر لیا چاہے وہ اپنے رتبے، مرتبے اور منصب کے لحاظ سے کتنی ہی بزرگ اور محترم ہستی ہی کیوں نہ ہو -

قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے اپنے سب سے بڑے حق کی ادائیگی کا حکم دیا ہے وہاں بعض مقامات پر اس کے فوراً بعد والدین کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم بھی دی ہے - چنانچہ ہمارے دین میں حقوق کی ادائیگی کے باب میں اللہ اور رسول کے حقوق کے بعد سب سے اہم حقوق والدین کے قرار دیئے گئے ہیں - سورہ بنی اسرائیل کی تیئسویں آیت کے صرف ابتدائی حصے کا میں عبادت کے ذیل میں حوالہ دے چکا ہوں - اب اس آیت کو اگلے حصے کے ساتھ پھر آپ کو سناتا ہوں - فرمایا -

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا	اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ
اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ	اس کے سوا کسی اور کی عبادت

اِحسَانًا ط نہ کرو اور تم اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو۔

یہاں بھی یہ آیت ختم نہیں ہوئی - اسی آیت میں آگے اور اگلی چوبیسویں آیت میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم کی شرح کی گئی ہے — یہاں جو بات میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالےٰ نے اپنی بندگی کے فیصلے کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے فیصلے کا بھی اعلان کر دیا - لیکن اگر والدین مشرک ہوں اور وہ اپنے مومن و مسلم اور موحّد اولاد پر والدین کی حیثیت سے زور ڈالیں اور اس کو مجبور کریں کہ وہ اپنے آبائی دین پر لوٹ جائے تو سعادت مند اولاد کیا کرے! اس بات کو سورہ لقمان میں واضح کر دیا گیا - وہاں چودھویں آیت میں والدین بالخصوص والدہ کے احسانات کا ذکر فرماتے ہوئے ان کے ساتھ حسن سلوک کا تاکید حکم دیا گیا اور پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ط " انسان کو چاہیئے کہ میرا احسان مند اور شکر گزار رہے اور اپنے والدین کا بھی"، پھر اگلی آیت میں واضح کر دیا گیا کہ اگر والدین اس معاملے میں کوشاں ہوں کہ مسلم و مومن اولاد اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرائے جس کے لئے کوئی علمی بنیاد نہ ہو تو اس معاملہ میں والدین کی ہرگز اطاعت نہیں کی جائے گی - البتہ ان کے ساتھ معروف طریقے پر گزر بسر کی جائے گی۔ فرمایا: وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا — اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو سورہ لقمان کے دوسرے رکوع کے درس کے موقع پر ہوتی ہے جو ہمارے منتخب قرآنی نصاب میں شامل ہے جیسا کہ میں شاید پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں - یہاں جو بات میں آپ ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ و رسول کے حقوق کے بعد سب سے مقدم حقوق والدین کے ہیں لیکن صاف ہدایت دے دی گئی کہ توحید سے انحراف کے معاملے میں ان کی ہرگز ہرگز اطاعت نہیں کی جائے گی - اسی طرح ہمارے دین میں حقوق کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے، جس کے لئے ایک جامع اصطلاح ہے - حقوق العباد، علاوہ ازیں ہمارے دین میں جانوروں کے حتیٰ کہ نباتات وجمادات اور راہوں اور سڑکوں کے بھی حقوق متعین ہیں، لیکن اصل الاصول یہی کار فرما رہے گا کہ تمام حقوق ،

حقوق اللہ کے تابع ہوں گے۔

میں اسی تقریر کے دوران عرض کر چکا ہوں کہ شرک کہتے ہی ہیں اُس طرزِ عمل اور نقطۂ فکر و نظر کو کہ جو خالق و مخلوق کے فرق و امتیاز کو ختم کر دے لہٰذا اطاعت کے ضمن میں بطور کلیہ اور اُصول اپنے قلب و ذہن میں اس بات کو نقش کالحجر کی طرح جما لیجئے کہ جس اطاعت سے خدا کی اطاعت کی سرتابی اور نافرمانی ہو اس کی اطاعت قطعی نہیں ہوگی۔ کسے باشد یہ ہے توحید اور اگر خدا کی اطاعت سے آزاد کسی مخلوق کی اطاعت کی گئی یا اس کا یہ حق تسلیم کر لیا گیا تو شرک فی الاطاعت ہوگا۔

دلیلِ قاطع

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے شرک فی الحقوق کو شرک فی العبادت اور میں بالکل آغاز میں بھی عرض کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق کو اگر جمع کیا جائے تو اس کے لئے ہماری دینی اصطلاح ہوگی **عبادت**۔ اللہ کے حقوق میں کسی مخلوق کو شریک کرنا درحقیقت شرک فی العبادت ہوگا۔ اس کے لئے سورہ کہف کی آخری آیت کا آخری حصہ جس پر یہ سورہ مبارکہ ختم ہوتی ہے وہاں فرمایا:

فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ○ "پس جو کوئی اپنے ربّ کی ملاقات کا امیدوار ہو اُسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور **عبادت** (بندگی) میں اپنے ربّ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔"

اسی لئے میں نے "**عبادت**" کے باب میں اپنی حد تک کافی وضاحت کرنے اور اس کے ظاہری پہلو یعنی **اطاعت مطلقہ** کی شرح بھی تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے، البتہ عبادت کے باطنی پہلو **محبت الٰہی** کے باب میں ان شاء اللہ میں آگے عرض کروں گا۔

مجھے یقین ہے کہ اللہ کی اطاعت مطلقہ کے باب میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اس کو قبول اور تسلیم کرنے میں شاید ہی کوئی تامل کرے بطور اُصول اس میں چون و چرا کی گنجائش کم از کم مجھے تو محال نظر آتی ہے لیکن معاملہ یہاں تک محدود نہیں رہے گا اب اس تلوار کو ہاتھ میں لے کر چند اہم مسائل کا تجزیہ کیجئے تو پتہ چلے گا کہ اس کی کاٹ کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے۔ (جاری)

★

مولانا امین احسن اصلاحی
کی مشہورِ آفاق تفسیر

تدبرِ قرآن

جلد پنجم

شائع ہوگئی

سائز ۲۹ × ۲۲/۸ صفحات ۶۲۸

کاغذ : اعلیٰ آمپورٹیڈ آفسٹ ۷۰ گرام جلد : اعلیٰ ریکسین

اپنے قریبی بک سٹال یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں

پبلشرز

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲- فیروز پور روڈ، نزد ڈاکخانہ اچھرہ - لاہور - ۱۶

(فون : ۴۱۰۸۴۹)

ڈاکٹر الطاف جاوید

علاّمہ اقبال کا معاشی تصوّر

[محترم ڈاکٹر الطاف جاوید صاحب نے یہ مقالہ چوتھی سالانہ قرآن کانفرنس منعقدہ نومبر ۱۹۷۷ء میں پیش کیا تھا۔ اس وقت بھی اس سے بہت سے سامعین اورکرم فرما برہم ہوئے تھے اور اب اس کی اشاعت پر بھی اندیشہ ہے کہ بہت سے حضرات ناخوش ہوں گے۔ لیکن راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ ان معاملات پر زیادہ حسّاس (TOUCHY) ہونے کے بجائے مخالف نقطۂ نظر پر بھی پوری ہمدردی اور سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے اور اس ضمن میں اگر مختلف رائے رکھنے والوں کا موقف مُدلّل طور پر سامنے ہی نہ آئے تو اس صورت میں جو رائے بنتی ہے وہ 'علیٰ وجہ البصیرت' نہیں ہوتی۔ جیسے اس شخص کی نیکی جو جانتا ہی نہ ہو کہ گناہ کیا ہوتا ہے، زیادہ اعتماد کے قابل نہیں ہوتی۔

موضوع زیرِ بحث میں دو باتیں اچھی طرح پیشِ نظر رہنی چاہئیں :

اوّلاً تو یہ مسئلہ ہی مختلف فیہ ہے کہ علاّمہ اقبال کا حقیقی اور واقعی نقطۂ نظر کیا تھا ــــ اس ضمن میں ایک رائے بہت عام ہے، دوسری رائے پر بھی غور بہرحال کیا جانا چاہیئے ــــ تاکہ پھر جو رائے قائم ہو وہ 'علیٰ وجہ البصیرت' ہو نہ کہ محض سُنی سنائی (HEARSAY) پر مبنی!

ثانیاً ــــ خود علاّمہ مرحوم اپنی ذات میں سند نہیں ہیں، ہمارے لئے اصل سند اللہ کی کتاب اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی سُنّت ہے، لہٰذا اصل معاملہ طے ہوگا کتاب و سُنّت کے دلائل سے! علاّمہ کی آراء پر اس حیثیت سے ضرور غور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اِس دَور میں دین کی رُوح اور اس کے نظام کی تعبیر کرنے والے مختلف لوگوں میں بہرحال ایک اہم شخصیت ہیں اور ان کی بات کو بالکل نظر انداز کرنا کسی صورت درست نہیں!

اِسی سے ملتا جلتا معاملہ پانچویں سالانہ قرآن کانفرنس منعقدہ کراچی (مارچ ۷۸ء) میں پروفیسر یُوسف سلیم صاحب چشتی کے مقالہ پر پیش آیا۔

انہوں نے " علامہ اقبال اور وحدت الوجود " کے موضوع پر اپنی تحقیق پیش کی۔ اس پر بھی بہت سے احباب چیں بجبیں ہوئے۔ حالانکہ یہاں بھی صورت وہی ہے کہ یہ بالکل جدا مسئلہ ہے کہ "نظریۂ وحدت الوجود" درست ہے یا غلط ! ــــ اور یہ بالکل علیٰحدہ مسئلہ ہے کہ علامہ اقبال اِس کے قائل تھے یا نہیں ؟ عام طور پر مشہور ہوگیا ہے کہ علامہ " وحدتُ الوجود" کے سخت مخالف تھے ــــ ایک شخص کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ یہ بات غلط ہے ــــ اس کے دلائل پر غور کر کے اس سے اختلاف کریں یا اتفاق اس کا اختیار آپ کو ہے !

خاکسار : اسرار احمد]

تاریخ کے دوسرے عظیم مفکروں اور فلسفیوں کی طرح اقبال کے تصوّرات و افکار بھی ان کے اپنے عہد کے مؤثر ترین اور طاقتور فکری دھاروں کے باہمی ملاپ کا نتیجہ ہیں۔ نطشے کے فوق البشر کے تصوّر، برگساں کی تخلیقی ارتقائی حرکت، مارکس کے کائناتی، اور تاریخی جدلیات کے نظریہ، جلال الدّین رُومی کے اسلامی تصوّرات نے اقبال کے ذہن میں ایک نئے فکری ائتلاف (IDEOLOGICAL SYNTHESIS) کی شکل اختیار کر لی۔ جسے ہم اقبال کا فلسفہ یا اقبال کے کائناتی، تاریخی اور معاشرتی تصوّرات کہہ سکتے ہیں۔ اقبال کا یہ فلسفہ اور تصوّرات و افکار اپنی نوعیّت میں منفرد حیثیّت رکھتے ہیں۔ یہ فلسفہ اپنے عہد کے فکری دبستانوں کے ساتھ ربط و تعلق میں باہمہ بھی ہے اور بے ہمہ بھی۔ یعنی ان عصری فکری دھاروں نے اپنے آپ کو ایک 'کُل' میں گم کر کے اپنی انفرادیّت کھو دی ہے۔

اقبال کے اس فلسفیانہ ائتلاف سے جہاں حیاتِ انسانی کے سیاسی، تہذیبی اور فکری پہلوؤں کے متعلّق نظریات پھُوٹتے ہیں وہاں اُن کا معاشی تصوّر بھی تدوین پاتا ہے۔ اقبال کے ذہن میں اُن کا یہ فکری ائتلاف جس عہد میں تدوین پا رہا تھا۔ اُس عہد میں چار معاشی نظام انسانی معاشرہ میں رائج تھے۔ یعنی جاگیرداری نظام، جو سب سے زیادہ پس ماندہ اور پچھڑا ہوا تھا، جس کی گرفت میں مسلمان ممالک اور ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی دوسری اقوام سسک رہی تھیں۔ سرمایہ داری نظام جو صنعتی انقلاب کا نتیجہ تھا مغربی اقوام پر مسلّط تھا۔ فاشزم جو سرمایہ داری کی انتہائی جارحانہ اور متشدّد شکل

تھی، اٹلی، جرمنی، اور جاپان میں موجود تھا اور چوتھا اشتراکی نظام جس کا سُرخ سویرا بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں رُوسی معاشرہ کی ظلمت سے پھُوٹا تھا۔

اقبال کے خطبات، اُس کی شاعری اور اس کے ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تین معاشی نظاموں، جاگیرداری، سرمایہ داری اور فاشزم کو ان کے استحصال پسند ہونے اور وحدتِ انسانیت کے حق میں نقصان دہ ہونے کی بنا پر رَدّ کر دیا گیا اور اُن کے فکر و نظر کا محور فقط اشتراکی نظامِ معیشت تھا جسے وہ دوسرے نظاماتِ معیشت کے مقابلہ میں زندگی کے تقاضوں سے زیادہ قریب سمجھتے تھے۔

یہ ایک علمی حقیقت ہے کہ ہر معاشی نظام کسی نہ کسی فلسفۂ حیات و کائنات پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ کوئی خود کفیل اور آزاد معاشرتی حقیقت نہیں ہوتا کہ اُسے زندگی کے عام حوالی CONTEXT سے الگ کر کے مطالعہ کیا جائے۔ لہٰذا یہ چاروں نظامِ معیشت مختلف مابعد الطبیعاتی تصوّرات پر اپنی اساس رکھتے ہیں۔

جب اقبال کے معاشی تصوّر کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو لامحالہ اُس میں اُن کے نظریۂ تمدّن اور مابعد الطبیعاتی افکار کو سمجھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ انہی کے بطن سے اُن کے معاشی تصوّر نے جنم لیا ہے۔ اگر ہم اقبال کے معاشی تصوّر کو اُن کے عمرانی اور فلسفیانہ نظریات سے الگ کر کے مطالعہ کرنے کی کوشش کریں تو اُن کے معاشی تصوّر کو کماحقہٗ سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔ چونکہ اقبال کے معاشی تصوّر کو عام طور پر اُن کے نظامِ فلسفہ سے الگ کر کے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، اِس لیے اُس کی تعبیرات مختلف ہو گئی ہیں۔ کوئی اُسے اشتراکی تصوّرِ معیشت سے ماخوذ قرار دیتا ہے، تو کوئی اُس کی سرمایہ دارانہ تعبیر پر زور دیتا ہے۔ چونکہ موضوعِ زیرِ بحث اقبال کا معاشی تصوّر ہے اِس لئے اس کی تمدّنی اور فلسفیانہ اساس پر مفصّل بحث تو نہیں ہو سکتی محض بنیادی مقدّمات کی نشاندہی کی جا سکتی ہے تاکہ وہ منطقی ربط و تعلّق معلوم ہو سکے جو اس معاشی تصوّر کی اپنی اساس سے ہے۔

اقبال کے فلسفۂ حیات و کائنات کی اساسی کتاب "اسرارِ خودی" ہے۔ چنانچہ اُس کا مطالعہ بتاتا ہے کہ خودیِ مطلق ABSOLUTE EGO جسے فعلیّتِ مطلقہ ——— ABSOLUTE ACTION یا انائے کامل سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، خالص استمرار و بقائے محض ہے جس میں علم، شعور، ارادہ اور غایت اس طرح متداخل ہیں کہ ایک

کی حقیقت دوسرے کے بغیر ناممکن ہے۔

یہ خودئ مطلق جس سے تمام انفرادیتوں کا ظہور ہو رہا ہے اور جو روحانی حیثیت اور مستمر قوتِ حیات ہے جو ازلاً اور ابداً جاری و ساری ہے۔ اس کی دو حیثیتیں ہیں ایک خارجی اور دوسری داخلی۔ یہ خودی یا فعلیتِ مطلقہ اپنی داخلی یا باطنی حیثیت میں ایک قسم کا تکاثف یا دباؤ ہے اور خارجی حیثیت ہی ایک اتساع، انتشار اور پھیلاؤ ہے۔ یہ فعلیتِ مطلقہ اپنی ذات کے اعتبار سے متعین ہے، کیونکہ اس کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔ کائنات کی تمام وحدتیں یا اشیاء اس فعلیت کے افعال کا خارجی رُخ ہیں اور یہ اپنی ذات میں مطلق بھی ہے کہ اس کے علاوہ اور تمام چیزیں اضافی ہیں۔

ذاتِ الٰہی یا فعلیتِ مطلقہ میں تمام اشیاء اور افعال اور زمانِ مکمل یعنی ماضی، حال اور مستقبل بلا تدریج و تعاقب بسیط شکل میں ایک ETERNAL NOW یا فی الحال موجود واقعیت کی حیثیت سے موجود ہیں۔ جو اگرچہ کیفیت کے لحاظ سے تو ممتاز ہیں مگر کمیت کے لحاظ سے ان میں کوئی امتیاز نہیں پایا جاتا۔ کائنات اپنی ظہوری یا خارجی حیثیت میں انفرادیتوں اور وحدتوں کا مجموعہ ہے۔

یہ تمام وحدتیں یا اشیاء اور افعال خودئ مطلق کے داخلی بالقوہ امکانات کے ظہور و خروج کا نتیجہ ہیں۔ چونکہ ہم اشیاء کا اُن کی کُلی حیثیت اور سیّال یعنی FLUX - OF TIME - میں احساس نہیں کر سکتے۔ اس لئے اس طریقۂ تفکر سے اشیاء میں باہم اضافتیں اور تعینات پیدا ہو جاتے ہیں۔

اس فعلیت کے تکاثف اور دباؤ کو جسے اقبالؔ نے دوسری جگہ نقطۂ نوری بھی کہا ہے، ذات یا اَنا ء سے تعبیر کیا جاتا ہے اِس کا دوسرا نام خودی ہے۔

خودئ مطلق کے تمام افعال و احوال میں نظم پیدا کرنا ایک مقصد کی طرف اُس کے خروج یا سیلان کو متعین کرنا اور تمام امتیازات اور گوناگوں افعال و اشیاء کو ایک وحدت میں منسلک کرنا خودی کا معلول یا مقصد ہے۔

کائنات کی ہر اَناء یا وحدت دوسری شے یا وحدت کی اضافت سے ممتاز ہے اِس لئے اِن سب کو اضافی اَناء کہا جا سکتا ہے۔

خُودی میں جدّ و جہد اور تصادم سے قوّت پیدا ہوتی ہے اور یہی معیارِ خیر و شر ہے

جو اعمال خودی میں اضمحلال پیدا کریں وہ شر ہیں اور جو قوّت وشدّت اور صلابت کا باعث بنیں وہ خیر ہیں۔

خودی یا فعلیّتِ مطلقہ سے اعمال و افعال کا جو سلسلہ جاری ہے وہ ارتقائی ہے نقص سے کمال اور کمال سے اکملیّت کی طرف۔ اس ارتقائی سیلان اور امکانات کا فعلیّت کی طرف خروج تخلیق کا مقصد ہے۔

اس ارتقائی PROCESS یا سیلان کی آخری کڑی انسان ہے چونکہ یہ اپنے اعمال و افعال اور صلاحیتوں کے اعتبار سے اَنائے کامل کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہے اس لئے یہ خلافتِ الٰہیہ کا مستحق ہے۔

تمام انسان بلا امتیاز و لحاظ مذہب، رنگ، نسل اور معاشرتی مرتبہ کے اپنی داخلی تکاثف، نفخِ رُوح یا نقطۂ نوری کے اعتبار سے مُساوی حیثیت رکھتے ہیں۔

انسانوں میں باہمی امتیاز یا تفریقِ مرتبہ محض اِس جدّوجہد کی کمی وبیشی سے ہے جو خودی کے باطنی یا بالقوہ امکانات یا اقدارِ عالیہ کے اظہار کے لئے کی جاتی ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ط۔

اقبال کے فلسفۂ حیات و کائنات کے ان مجمل اور مختصر مقدّمات سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کے نزدیک تمام انسان اپنے داخلی تکاثف، نفخِ رُوح یا نقطۂ نوری کے اعتبار سے مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ ورنہ نسل، رنگ، قومیّت اور مذہب کے امتیازات محض تعارف کیلئے ہیں۔ ان کی اس سے زیادہ کوئی اہمیّت نہیں ہے۔

انسانوں کے تمام امتیازات کو غیر فطری سطح پر اُبھارنے اور ان میں متحارب تصادم پیدا کرنے کا باعث اقبال کے نزدیک سرمایہ داری، جاگیرداری اور فاشزم کے استحصالی نظاماتِ معیشت ہیں جو سامراجی اور جارحانہ وطنیّت و قومیّت (CHAUINISM) اور مذہبی گروہ بندی RELIGIOUS SECTARIAN کی شکل اختیار کر کے فسادِ آدمیّت کا باعث بنتے ہیں۔ اقبال اگر وحدتِ انسانیّت کے راستہ کی تمام رکاوٹوں جیسے نسل، قومیّت، مذہب، تہذیب اور رنگ وغیرہ کو ختم کر دینا چاہتے ہیں، تو وہ معاشی طبقات کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں جبکہ معاشی تفریق ہی حقیقی تفریق ہے اور دوسری تمام تفریقات اور امتیازات جو نسلی و رنگ جیسی شکلوں میں ہمیں ملتے

ہیں، معاشی تفریق کی اساس پر قائم ہیں۔ لہٰذا منطقی طور پر اقبالؔ کا تصوّرِ معیشت طبقات کو ختم کر کے صرف ذہنی استعداد کی بنا پر ہی اُونچ نیچ کو قائم رکھنے کے حق میں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اقبالؔ کے نظامِ معیشت کے دو مقاصد ہیں۔ ایک تو یہی کہ انسانوں کے درمیان سے طبقاتی تقسیم کو ختم کیا جائے اور حقیقی مساوات قائم کی جائے، تاکہ وہ جنگ اور بھوک، غلامی اور محتاجی چوری اور ڈکیتی، مفلسی اور ہوسِ زراندوزی سے محفوظ رہ سکیں۔ دوسرے یہ کہ ایسا معاشرہ جو مذکورہ بُرائیوں سے پاک ہو کر قائم ہو سکے کیونکہ ایسا معاشرتی ماحول یا فضا ہی اُن کو امن، محبّت اور خوشحالی مہیّا کر سکتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے خالقِ حقیقی کے ساتھ تعلّق قائم کر کے اطمینانِ قلب اور ذہنی سکون کی نعمت سے سرفراز ہو سکتے ہیں۔

اس تصوّرِ معیشت کے لحاظ سے جو اقبالؔ کے فلسفۂ حیات و کائنات کا منطقی نتیجہ ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اقبالؔ اشتراکی ہے؟ اگرچہ اِس موضوع پر بھی مخالف و موافق دونوں اطراف سے بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مگر مسئلہ زیرِ بحث کی وضاحت کے لئے اُس کا مجمل سا جائزہ لینا ضروری ہے۔

اقبالؔ نے اپنے فلسفۂ حیات میں 'سوال' کو خودی کے اضمحلال کا باعث قرار دیا ہے۔ سوال سے مراد یہاں محض بھیک مانگنا نہیں ہے بلکہ انسان کی ایسی نفسیاتی حالت مراد ہے جس میں وہ اپنے آپ پر سے خود اعتمادی کھو بیٹھتا ہے، اور یہ حالت انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں میں ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مادّی وسائل کی کمزوری، سیاسی غلامی اور ناداری وغیرہ سوال کی شکلیں ہیں۔ اسی لئے تقلید بھی اُس کے ہاں گناہِ عظیم تصوّر کی جاتی ہے ؎

گر از دستِ تو کارِ نادر آید — گناہے ہم اگر باشد ثواب است

تقلید کی روش سے بہتر ہے خودکشی — رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

اور اسی نقطۂ نظر سے اقبالؔ نے نقل پر اخذ کو ترجیح دی ہے۔ اخذ کرنا حیاتِ فردی و اجتماعی میں استحکام و عُمق پیدا کرتا ہے، جبکہ نقالی اضمحلال و سطحیّت کا باعث بنتی ہے لہٰذا اشتراکی انقلاب کو بھی اقبالؔ نے اپنی نظر سے دیکھا ہے اور حیاتِ انسانی کے استحکام، ارتقاء اور تزکیہ کیلئے ان کے غلط اور صحیح پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے۔ "خضرِ راہ" کی نظم اقبالؔ

کے فکری تسلسل میں ایک نیا موڑ ہے۔ اس نظم میں سویت رُوس کے انقلاب کو کھلے دل و ذہن سے خوش آمدید کہا گیا ہے ؎

آفتابِ تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا ۔۔۔ آسماں! ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

اشتراکی انقلاب جس فلسفۂ حیات و کائنات کی اساس سے اُبھرا ہے اُس کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو تو سرمایہ داری، جاگیرداری اور سامراجیت کے پس ماندہ اقوام کو غلام بنانے اور محنت کش کے استحصال کرنے سے تعلّق رکھتا ہے۔ دوسرا پہلو کائناتی فلسفہ سے متعلّق ہے جس میں مادّہ (MATTER) کی قطعیت (FINALITY) کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اقبالؔ کے نزدیک یہی پہلو اسلام کے تصوّرِ حیات و کائنات سے ٹکراتا ہے۔

کارل مارکس نے سرمایہ داری نظام کا جو سائنسی تجزیہ کیا ہے اور انسانی معاشرہ پر اس کے اثرات کا جو جائزہ لیا ہے اقبالؔ اس سے بالکل متفق ہے۔ چنانچہ اقبالؔ کے نزدیک بھی تاریخِ انسانی کی تمام خونریزیوں اور جنگوں کا باعث سرمایہ داری کا استحصالی نظام ہے۔ کارل مارکس کی وساطت سے کہا کہ ؎

رازدانِ جُزو و کُل از خویش نامحرم شدہ است
آدم از سرمایہ داری قاتلِ آدم شدہ است

مزدور سے کہلوایا کہ :

زمزدِ بندۂ کرپاس پوش و محنت کش ۔۔۔ نصیبِ خواجہ ناکردہ کار رختِ حریر
زخوں فشانیِ من لعلِ خاتمِ والی ۔۔۔ زاشکِ کودکِ من گوہرِ ستامِ امیر
زخونِ من چو زلو فربہی کلیسا را ۔۔۔ بزورِ بازوئے من دستِ سلطنت ہمہ گیر

لینن کی زبان سے کہا :

بسے گزشت کہ آدم دریں سرائے کہن ۔۔۔ مثالِ دانہ تہِ سنگ آسیا بودہ است
غلامِ گرسنہ دیدی کہ بر درید آخر ۔۔۔ قمیصِ خواجہ کہ رنگیں ز خونِ ما بودہ است
شرارِ آتشِ جمہورِ کہنہ ساماں سوخت ۔۔۔ ردائے پیرِ کلیسا، قبائے سلطاں سوخت

اور یہ بھی فرمایا کہ :

از تہی دستاں کشادِ اُمّتاں ۔۔۔ از چُنیں منعم فسادِ اُمّتاں!

جدّت اندر چشمِ او خوار است و بس | کہنگی را او خریدار است و بس
در نگاہش ناصواب آمد ثواب ! | ترسد از ہنگامہ ہائے انقلاب !
خواجہ نانِ بندۂ مزدور خورد | آبروئے دُخترِ مزدور بُرد
در حُضورش بندہ می نالد چوں نَے | بر لبِ اُو نالہ ہائے پے بہ پے
نے بجامش بادہ و نَے در سبوست | کاخ ہا تعمیر کردہ خود بکوست

اور یہ بھی کہا :

سرما کی ہواؤں میں عریاں ہے بدن اس کا | دیتا ہے ہنر جس کا امیروں کو دوشالہ

یہ بھی کہا :

اے شیخ امیروں کو مسجد سے نکلوا دے | ہے ان کی نمازوں سے محراب ترش آبرو

مزدور کو مخاطب کر کے کہا :

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر ؛ شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی | اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
ساحرِ الموط نے تجھ کو دیا برگِ حشیش | اور تو اے بیخبر سمجھا اسے شاخِ نبات
نسل، قومیّت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ | خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لئے | سُکر کی لذّت میں تو لٹوا گیا نقدِ حیات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار | انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے | مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

اور کہا کہ :

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دِہ خدایاں کِشتِ دہقاناں خراب

مارکس کے تجزیے سے اتّفاق کرتے ہوئے مارکس کے اس خطاب کو پیش کیا جو اس نے آدم سمتھ سے کیا جو سرمایہ داری معیشت کا باوا آدم اور دولتِ اقوام WEALTH OF THE NATIONS کا مصنّف ہے۔

یہ علم و حکمت کی مہرہ بازی یہ بحث و تکرار کی نمائش
نہیں ہے دُنیا کو اب گوارا پرانے افکار کی نمائش

حکیم مریخی نے پھر کہا ؎

تری کتابوں میں اے حکیمِ معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوطِ خمدار کی نمائش، مریز و کجدار کی نمائش

جہانِ مغرب کے بتکدوں میں کلیساؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خونریزیاں چھپاتی ہیں عقلِ عیار کی نمائش

اقبال نے سرمایہ داری نظام کے مارکسی تجزیہ اور اُس کے محنت پر اثرات کو صحیح سمجھتے ہوئے انقلاب کیلئے مزدور کو خود مخاطب کرکے کہا کہ ؎

کرمکِ ناداں طوافِ شمع سے آزاد ہو   اپنی فطرت کی تجلّی زار میں آباد ہو!

پھر کہا ؎

بیا کہ تازہ نوا می تراود از رگِ ساز   مے کہ شیشہ گداز د بہ ساغر اندازیم

پھر ہماری مذہبی دانش کو مخاطب کرکے کہا کہ ؎

سخن نامہ و میزاں دراز تر گفتی   بحیرتم کہ نہ بینی قیامتِ موجود

استحصال پسند طبقوں کے خاتمہ کے بعد جس لاطبقاتی معاشرہ کا اُبھرنا مزدور انقلاب کا منطقی نتیجہ ہے اقبال نے اسے بھی کھُلے ذہن کے ساتھ قبول کیا۔ چنانچہ "جاوید نامہ" میں فلک مریخ پر شہر مرغدیں میں جب اقبال پہنچا تو حکیم مریخی نے اسے بتایا کہ ؎

کس دریں جا سائل و محروم نیست   عبد و مولا، حاکم و محکوم نیست

تو اقبال نے اس صورتِ حال کی مخالفت کرتے ہوئے حکیم مریخی سے کہا کہ ؎

سائل و محروم تقدیرِ حق است   حاکم و محکوم تقدیرِ حق است
جُز خدا کس خالقِ تقدیر نیست   چارۂ تقدیر از تدبیر نیست

تو حکیم مریخی نے جواب دیا کہ ؎

گر ز یک تقدیر خوں گردد جگر   خواہ از حق حکمِ تقدیرِ دگر!
تو اگر تقدیرِ نَو خواہی رواست   زانکہ تقدیراتِ حق لاانتہاست
خاک شو، نذرِ ہوا سازد ترا   سنگ شو، بر شیشہ اندازد ترا
شبنمی؟ اُفتندگی تقدیرِ تست   قُلزمی؟ پائندگی تقدیرِ تست

حکیم مریخی کے جواب کا معنی یہ ہے کہ اقبال اور قرآن کے نزدیک ذرائع پیداوار

پر نجی ملکیت کا نظام قطعی اور مقدّس نہیں ہے بلکہ زمانہ اور حالات بدلنے سے دوسرے نظاماتِ معیشت بھی قبول کئے جاسکتے ہیں - چنانچہ ذرائع پیداوار پر فرد کی ذاتی ملکیت کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ؎

ہمچناں ایں باد و خاک و ابر و کشت — باغ و راغ و کاخ و کوئے و سنگ و خشت
اے کہ می گوئی متاعِ ما ز ماست — مردِ ناداں! ایں ہمہ ملکِ خداست
ارضِ حق را ، ارضِ خود دانی بگو — چیست شرحِ آیۂ لاتفسدوا؟
ابنِ آدم دل با بلیسی نہاد! — مَن ز ابلیسی ندیدم جز فساد!

اور یہ نصیحت کی کہ ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کو ختم کر کے پیداکنندہ کے حوالے کردو تاکہ طبقاتی فساد ختم ہو کر لاطبقاتی معاشرہ وجود میں آسکے اور امن قائم ہو سکے۔

ملکِ یزداں را بہ یزداں باز دِہ — تا ز کارِ خویش بہ کشائی گرہ!
کس امانت را بہ کارِ خود نہ بُرد — اے خوش آں کہ ملکِ حق با حق سپرد
نوعِ دیگر بیں جہاں دیگر شود — ایں زمین و آسماں دیگر شود!

یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی بھی شئے جو حق کی ملکیت میں آجاتی ہے تو وہ مفادِ عامہ کے لیے وقف ہو جاتی ہے - اس پر کسی فرد یا کسی مخصوص گروہ کا قبضہ نہیں رہتا - اگر زمین اور اس میں پائی جانے والی زرعی اور معدنی دولت اور انسان کی اجتماعی محنت حق تعالیٰ کی ملکیت ہیں تو ان پر کسی فرد یا گروہ کا قبضہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا - اسی لئے امام ولی اللہ رح نے زمین کو مسجد یا سرائے قرار دیا ہے - اور
قرآن کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ ؎

عالمے در سینۂ ما گُم ہنوز — عالمے در انتظارِ قُم ہنوز!
عالمے بے امتیازِ خون و رنگ — شامِ اُو روشن تر از صبحِ فرنگ
عالمے پاک از سلاطین و عبید — چوں دلِ مومن کرانش ناپدید
عالمے رعنا کہ فیضِ یک نظر — تخمِ اُو افگند در جانِ عمرؓ

یعنی قرآنِ حکیم ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جو طبقاتی نزاع ، امتیازات اور گروہ بندیوں سے پاک وصاف ہو - جس میں حاکم و محکوم ، آقا و غلام ، آجر و مزدور کا وجود نہ ہو - انسان کی اجتماعی محنت جن ذرائع پیداوار کو تخلیق کرتی ہے اور ان سے استفادہ کر کے دولت

پیدا کرتی ہے، وہ ذرائع پیداوار اور دولت دونوں انفرادی ملکیت کی بجائے اجتماعی ملکیت میں رہنے چاہئیں ورنہ فساد فی الارض لازمی ہے۔ جسے ابلیسی قرار دیا ہے۔

اقبالؔ نے استحصال اور طبقاتی کشمکش کے خاتمہ اور لاطبقاتی معاشرہ کی تعمیر کے تصوّرات کو مارکس سے مستعار لینے کی بجائے قرآنِ حکیم سے استدلال کیا ہے۔ ملتِ رُوسیہ کے نام افغانیؒ کی زبان سے کہلوایا ؎

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ　　دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ
ہیچ خیر از مردکِ زر کش مجو　　لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا!

شریعت کے متعلق فرمایا ؎

در جہاں اسرارِ دیں را فاش کُن　　نکتۂ شرعِ مُبیں را فاش کُن!
کس نباشد در جہاں محتاجِ کس　　نکتۂ شرعِ مُبیں این ست و بس!

پھر کہا کہ ؎

رزقِ خود را از زمیں بُردن رَواست　　ایں متاعِ بندہ و مِلکِ خُداست
بندۂ مومن امیں، حق مالک است　　غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است

تاریخ بتاتی ہے کہ آلاتِ پیداوار میں ترقی انسان کی اجتماعی محنت کا نتیجہ ہے۔ اس ترقی پر کسی سرمایہ دار نے اپنا سرمایہ خرچ نہیں کیا۔ انسان نے بہت سے دُکھ جھیل کر اور بے اندازہ تکلیف اُٹھا کر ان آلات کو حاصل کیا ہے۔ ہمارے عہد کی مہیب مشینوں کی تخلیق و بناوٹ بھی محنت کش کی اجتماعی محنت کا نتیجہ ہے۔ انسان کی ذہنی اور جسمانی قوّتیں بھی حق تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں اور ان قوّتوں کے استعمال سے جو آلاتِ پیداوار بنتے اور اُن آلات کے استعمال میں جو اجتماعی محنت خرچ ہوتی ہے اُس کے عوض میں جو پیداوار ہوتی ہے اور جو منافع اُس سے حاصل ہوتا ہے اُس کے ساتھ ہی پیداوار کو منڈی تک پہنچانا بھی اجتماعی محنت کے توسّط سے ہی عمل پذیر ہوتا ہے۔ اِسی لئے سرمایہ داری نظام میں فیکٹری کے مالک کا پیداواری عمل کے ساتھ کوئی راست تعلق نہیں ہوتا بلکہ وہ اجتماعی محنت کی اجتماعی پیداوار اور اُس کے منافع کو خواہ مخواہ ہڑپ کر جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اجتماعی محنت کا ثمر ہے اور اسی کو اس کی ملکیت کا حق پہنچتا ہے۔

پھر اقبالؔ کے نزدیک وحدتِ انسانیت کا تصوّر معاشی طبقات کو ختم کئے بغیر نہیں

کیا جا سکتا۔ وحدتِ آدم اور لاطبقاتی معاشرہ کے قیام کی نوعی اور نفسیاتی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ؎

آب و نانِ ماست از یک مائدہ دودۂ آدم کَنَفْسٍ وَّاحِدَۃ

اقبال کے بعض بیانات سے بعض افراد نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ انہوں نے کمیونزم اور سوشلزم کو اس کی کلی حیثیت میں ترک کر دیا ہے۔ لیکن اقبال کی تمام نگارشات اور اشعار کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کے معاشی تصوّر میں ایک ارتقائی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ اقبال نے ۱۹۲۳ء کے قریب ایسے خیالات کا اظہار اور ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت کے تصوّر کو پوری طرح قبول نہیں کیا تھا، اور اس سلسلہ میں قرآنی ہدایات کی بھی رواجی تعبیر کو تسلیم کر لیا تھا۔ مگر جُوں جُوں وقت گزرتا گیا اور اس مسئلہ پر تاریخی عمل کے استقرائی نتائج اُن کے سامنے آتے گئے، وہ ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت کے قائل ہوتے گئے، حتّٰی کہ ۱۹۳۴ء تک وہ اعلان کر دیتے ہیں کہ ؎

آں بتوک، آں فکرِ چالاکِ یہود نورِ حق از سینۂ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام دانشِ تہذیب و دیں سودائے خام

اقبال زمین کی اجتماعی ملکیت کے تو پہلے ہی سے قائل تھے، اب وہ صنعتی پیداوار کو بھی اجتماعی محنت کا ثمر تسلیم کرنے لگے ؎

حکمِ حق ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

کیونکہ بنکوں کو جن کے کاروبار کی اساس سُود پر ہے اور جدید صنعتی ارتقار کا نتیجہ ہیں، اگر سُود کے بغیر چلانے کی کوشش کی جائے تو پُورے سرمایہ داری نظام کا ڈھانچہ تہس نہس ہو جاتا ہے۔ بغیر سُود کے بنک کاری ناممکن ہے کیونکہ سُود اور محنت کے استحصال کا چولی کا ساتھ ہے۔ اگر بنک کاری کا کوئی نظام سُود نہ لے۔ مگر اپنے جمع شدہ سرمایہ سے کارخانوں کی تعمیر کے ذریعہ اجتماعی محنت کا استحصال کرے تو یہ نظام چند روز بھی نہیں چل سکتا۔ لامحالہ اجتماعی پیداوار کی ملکیت مزدور کی اجتماعی محنت کے سپرد کرنی ہوگی۔

کمیونزم کی مکمل تردید کا وہ پہلو جس میں اُسے ایک نظامِ حیات اور فلسفۂ کائنات کی حیثیت حاصل ہے اور جس کی اساس مادّہ کی قطعیّت (FINALITY) پر مبنی ہے۔

یقیناً اقبال نے اس کا انکار کر دیا کیونکہ یہ اسلامی نظامِ حیات اور فلسفۂ کائنات سے متصادم ہے۔ اس سلسلہ میں ۱۹۲۳ء اور ۱۹۳۷ء میں فرق نہیں ہے۔ اقبال نے اسلام کے مقابلہ میں تمام ازموں (ISMS) کو رد کر دیا تھا، کیونکہ کمیونزم اگرچہ اسلام کی طرح نسل، قومیت، مذہب، رنگ اور معاشی طبقات کی اساس پر انسانوں کو تقسیم نہیں کرتا۔ مگر اُس نے حقیقتِ مطلقہ کا جو تصوّر دیا ہے وہ بہت محدود ہے اور انسان کی ان بالقوہ امکانی قوّتوں POTENTIALITIES کو تسلیم نہیں کرتا جن کی وجہ سے وہ زمان و مکان کی تسخیر کر کے اپنے آپ کو خدائی صفات سے متصف کرتا اور اُن کا مظاہرہ کرتا ہے اور تخلیق میں اس کا ہم کار (CO-WORKER) بن جاتا ہے۔ لہٰذا کمیونزم انسان کی حیوانی جبلّتوں اور ذہنی صلاحیتوں تک تو جاتا ہے مگر رُومی کے بقول "منزلِ ما کبریاست" تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا، اور یقیناً وہ معاشرہ کو کمیونسٹ منزل تک لے جانے میں ناکام رہے گا۔ کیونکہ کمیونسٹ معاشرہ خارجی قوانین اور نفسانی یا حیوانی خواہشات دونوں سے مُبرّا حُرّیتِ کاملہ کا مظہر ہے اور اُس کی تعمیر خدا اور حیاتِ اُخروی کے تصوّرات کو تسلیم کئے بغیر ناممکن ہے۔ کیونکہ یہی دونوں تصوّرات اسے خارجی قوانین اور خواہشاتِ نفسانی سے نجات دلاتے ہیں اور یہ نجات حُرّیتِ کاملہ کے حصول کیلئے لابدی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پیداوار کی اجتماعی ملکیت کو تسلیم کرنے کے لئے مذہبی حقائق کے انکار کی کوئی معاشرتی اور فکری ضرورت نہیں ہے۔ انسانی تاریخ میں الہامی مذاہب کے مقدّس بانیوں کے علاوہ خود اسلام نے اپنے اوائل میں یہ تجربہ کر دکھایا ہے اور اس معاشرہ سے جن صفات، اور صلاحیتوں کا حامل انسان پیدا ہوا تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔

اشتراکی فلسفہ کے دوسرے پہلو کو جس کی اساس کائنات کے دہریانہ (ATHEISTIC) تصوّر پر مبنی ہے، اقبال نے ردّ کر دیا۔ کیونکہ مادّہ قطعیت کی وجہ سے اشتراکی فلسفہ میں جو کائناتی، تاریخی، اور نفسیاتی تضادات اُبھر آئے ہیں۔ اور جو انقلاب کو اپنے منطقی تقاضوں تک رسائی حاصل کرنے میں زبردست رکاوٹ ہیں۔ اُن کا ازالہ مارکسی فلسفہ اُس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ زندگی کی مثبت اقدار کو جن کا حامل الہامی مذہب ہے، دہریت کی بجائے اپنی اساس قرار نہ دے۔

مارکسی فلسفہ کی تردید کے بعد ایک اسلامی اشتراکیت کے تصوّر کو رُوس کے سامنے

پیش کیا تاکہ انقلاب کو منفی بنیادوں کی بجائے مثبت بنیادوں پر استوار کیا جاسکے اور یہ قطعی بات ہے کہ اشتراکی انقلاب اگر دہریت پسند اساس پر قائم رہا تو وہ اپنی منطقی منزل یعنی خوف و حزن سے پاک لاطبقاتی معاشرہ تک نہیں پہنچ پائے گا۔ اس لئے کہ خوف و حزن یا دوسرے لفظوں میں بھوک اور جنگ کا وجود معاشرہ کے استحصال کنندہ EXPLOITER اور استحصال زدہ EXPLOITED طبقوں میں بٹ جانے کا نتیجہ ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس طرف قصۂ آدم میں بلیغ اشارات کئے ہیں۔ ہبوطِ آدم کے بعد وحیٔ الٰہی کے نزول کا مقصد ہی اس طبقاتی معاشرہ کو ختم کرنا قرار دیا ہے اور اس کی وجہ سے انسان جس خود بیگانگی (SELF-ALIENATION) کے گرداب میں پھنس چکا ہے اس سے اُسے نجات مل سکے: فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ کیونکہ اُس وقت تک انسانی معاشرہ بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ کی وجہ سے دائمی طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اقبال نے بھی کہا ہے کہ

عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر　　　سُودِ خُود بیند نہ بیند سُودِ غیر!
وحیٔ حق بینندۂ سُودِ ہمہ　　　در نگاہش سُود و بہبودِ ہمہ

یعنی عقلِ انسانی انفرادی، گروہی یا قومی مفاد کی حد تک تو دیکھ سکتی ہے، مگر پوری انسانیت کے مفاد کیلئے ذرائع و قوانین مدوّن نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اشتراکی قوتوں میں جارحانہ شکل اور کومنٹرن (COMENTOREN) کے خاتمہ کے بعد دوسری عالمگیر اشتراکی مرکزیت کے قیام کا وجود میں نہ آنا اس بات کی کافی دلیل ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ صرف وحیٔ الٰہی ہے جو پوری نوعِ انسانی کے مفاد کو سامنے رکھ کر ہدایات و قوانین وضع کر سکتی ہے اور اگر ان کی پابندی کی جائے تو نوعِ انسانی دائمی امن اور خوشحالی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

مارکسی دانش کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ انسانی نفسیات کے حیوانی جبلّی پہلو کو اشتراکیت کا منفی فلسفۂ حقیقت محض اجتماعی ملکیت کے قیام سے سُودِ ہمہ کا پابند نہیں بن سکتا۔ کیونکہ یہ جبلّتوں کے حیوانی تقاضوں کا فطری عمل تھا جس نے معاشی طبقات کو جنم دیا۔ حالانکہ تاریخ کے ابتدائی دور میں معاشی طبقات کا وجود نہیں تھا۔ انسان کی ہوس ناکی نے تمیزِ آقا و غلام پیدا کر کے اسے طبقوں میں تقسیم کر دیا۔ ان حیوانی تقاضوں

کو مکمل شخصیت FULL PERSONALITY کے نصب العین سے، جس کا پروپیگنڈا اشتراکی ادب میں کیا جا رہا ہے، روکا نہیں جا سکتا۔ جب یہ نصب العین بھی محض حیوانی جبلتوں کے تقاضوں تک ہی محدود ہو۔ یہ درست ہے کہ انسانی شعور انسان کے مادی اور معاشرتی حالات سے متأثر ہوتا ہے۔ اور طبقاتی معاشرہ میں انسانی شعور اور نفسیات کے متضمنات کی وہ حالت نہ رہے گی جو طبقاتی معاشرہ میں ہے۔ مگر اس ضمن میں مارکسی دانش نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ انسان کی نفسیات کے حیوانی تقاضے سماج کے بدلنے سے مر نہیں جاتے اگرچہ بہتر معاشرتی ماحول میں ان کے غیر انسانی ضرر رساں پہلو دب جاتے ہیں یا انہیں فعال رہنے کیلئے کماحقہٗ غذا نہیں ملتی۔ اگر انسانی نفسیات کے رُوحانی یا اعلیٰ پہلوؤں کے احتساب کے ذریعہ بتدریج ان حیوانی یا ادنیٰ تقاضوں کو کنٹرول کرنے کا سامان نہ کیا گیا تو یہ خطرہ بدستور رہے گا کہ یہ تقاضے جبلی بے راہروی، اور دوسرے غلط اور بیمار رُجحانات کو فلسفیانہ شکل دے کر اپنی قانونی حیثیت منوانے میں کامیاب ہو جائیں اور خوف و حُزن سے پاک لاطبقاتی معاشرہ کبھی بھی قائم نہ ہونے پائے گا، اور اس طرح پروفیسر ہاکنگ کے الفاظ میں انسانی شخصیت لامحدود، مقدس اور غیر فانی بننے سے رہ جائے گی اور یہی شخصیت ہے جس کا حصول انسانی تخلیق اور اس کی معاشرتی حرکت کی آخری منزل ہے۔

اقبالؔ نے نہ صرف اشتراکی معاشی انقلاب کو انسان کے نفسیاتی اور معاشرتی ارتقا کے لئے ضروری و لابدی قرار دیا بلکہ وسط ایشیا کی مسلم اقوام میں اشتراکی انقلاب کی وجہ سے آنے والی تبدیلیوں کو بھی خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ انقلاب کے بعد بسماچی قازاق مسلمانوں کی بغاوت کی۔ جس کی قیادت انور پاشا کر رہے تھے۔۔ اقبالؔ نے تائید نہیں کی بلکہ انہوں نے وسط ایشیا سے اسلام اور اشتراکی انقلاب کے ایک نئے فکری و نظریاتی ائتلاف کے ابھرنے کی امید کا اظہار کیا ؎

چنگِ تیموری شکست، آہنگِ تیموری بجاست ۔۔۔ سر بروں می آرد از خاکِ سمرقندے دگر

پھر کہا

از خاکِ سمرقندے ترسم کہ دگر خیزد ۔۔۔ آشوبِ ہلاکوئے، ہنگامہ چنگیزے

اقبالؔ نے اسی اُمید کی وجہ سے ملتِ رُوسیہ کو لَا اور اِلّا کے امتزاج کی دعوت دی ہے کہ وہ لَا کے تخریبی اور منفی مقام سے گزر کر اِلّا کے تعمیری اور

سکون پسند نصب العین کی طرف قدم بڑھائے۔ اسی ضمن میں سر فرانسیس ینگ ہسبنڈ کے نام ۳۰ر جولائی ۱۹۳۱ء کو جو خط لکھا اس میں کہتے ہیں کہ:

"علاوہ ازیں اس کا (یعنی انگریزیہ اور ہندو سرمایہ کی توسیع پسندی کے اتحاد کا) یہ نتیجہ بھی ہوسکتا ہے کہ پورا اسلامی ایشیا رُوسی اشتمالیت (کمیونزم) کی آغوش میں پناہ لے جو مشرق میں برطانوی اقتدار کے خاتمہ کیلئے ضرب کاری بن جائے گا۔

"ذاتی طور پر میں نہیں سمجھتا کہ رُوسی فطرتاً لامذہب ہیں۔ اس کے برعکس میرا خیال ہے کہ روسی عورتیں اور مرد بڑے گہرے مذہبی جذبات رکھتے ہیں۔ اور رُوسی ذہن کا موجودہ منفی رُجحان ہمیشہ نہیں رہے گا، کیونکہ کوئی عمرانی نظام دہریت کی اساس پر باقی نہیں رہ سکتا۔ جونہی اس ملک میں حالات ٹھیک ہوں گے اور اس ملک کے باشندوں کو اطمینان سے غور کرنے کا وقت ملے گا وہ مجبوراً اپنے نظام کی کوئی مثبت بنیاد تلاش کریں گے۔

"چونکہ بالشویت کے ساتھ خدا کا قائل ہونا اور اسلام قریب قریب ایک ہی چیز ہے۔ اس لئے مجھے ذرا بھی تعجب نہ ہوگا اگر کچھ زمانہ کے بعد روس اسلام کو ہضم کرلے یا اسلام روس کو۔ اس کا دارومدار بڑی حد تک اس حالت پر ہوگا جو ہندوستانی مسلمانوں (شاید آج پاکستانی مسلمانوں) کی نئے دستور میں ہوگی۔"!

بلکہ اقبال نے اس ضمن میں قائداعظم کو لکھتے ہوئے کہاکہ:

"For Islam the acceptance of social democracy is not a revolution, but a return to the purity of Islam."

یعنی (سوشل ڈیموکریسی کو قبول کرنے سے اسلام میں کوئی انقلاب واقع نہیں ہو جائے گا بلکہ اسلام اس سے اپنی اصلی اور خالص حالت کی طرف واپس آئے جائے گا۔)

اقبال کے نزدیک اشتراکی انقلاب سے اسلامی ریاست کے تصوّر اور اسلام کے معاشی نظام کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اس لئے کہاکہ ؎

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم — بے سُود نہیں رُوس کی یہ گرمیٔ گفتار
اندیشہ ہوا شوخیٔ افکار پہ مجبور — فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار

انسان کی ہوس نے جنھیں رکھا تھا چھپا کر کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج یہ اسرار
جو حرفِ قُلِ العفو میں پوشیدہ ہے اب تک اِس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

لہٰذا حضرتِ اقبال کا تجزیہ اور پیغام ہمارے سامنے ہے۔ اب اس نئے فکری ائتلاف کی تدوین اور اُس کی اساس پر نئے اسلامی انقلاب کی طرح ڈالنے کی ذمّہ داری ہم مسلمانوں پر، ہمارے ثقافتی اداروں پر اور اقبال اور قرآن اکیڈمیوں پر عائد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے کہ وہ اس ضمن میں بھی اشارات دے گئے ہیں :

"کم از کم انسانی روابط و ضوابط کی موجودہ شکل میں قوم پرستی اور دہریت پسند اشتراکیت دونوں مجبور ہیں کہ نفرت، شک اور ناگواری کی نفسیاتی قوتوں سے جو انسان کی رُوح کو ضعیف کر دیتی ہیں اور روحانی قوت کے سرچشموں کو خشک کر دیتی ہیں، اپنے آپ کو وابستہ کریں۔ نہ قرونِ وسطیٰ کی باطنیت (تصوف) نہ قوم پرستی اور نہ دہریت پسند اشتراکیت مایوس انسانیت کے مرض کا ازالہ کر سکتی ہیں۔ جدید دنیا کو ارتقائی تجدید کی ضرورت ہے اور مذہب جو اپنی اصلی نمود میں نہ عقیدہ راسخ ہے نہ ملائیت، نہ رسم عبادت ہے۔ مذہب جدید انسان کو اخلاقی طور پر اس عظیم ذمّہ داری کا بارِ گراں اٹھانے کے قابل بنا سکتا ہے جو جدید سائنس کی ترقی سے لازمی طور پر عائد ہوتی ہے۔ مذہب ہی انسان کو پھر سے ذوقِ یقین دے سکتا ہے جس سے وہ اس قابل ہو سکے کہ یہاں خودی اور شخصیت کو حاصل کرے اور پھر اس کو ہمیشہ کیلئے محفوظ و باقی رکھ سکے۔"

اقبال نے اس نئے ائتلاف کی تعمیر کیلئے بھی گراں قدر ہدایات و افکار کا اظہار کیا ہے بلکہ اُس کے خدّ و خال بھی تشکیل دے دیئے ہیں۔ کمیونزم کے ساتھ اسلام یا مذہب کے اساسی عقائد کے مل جانے سے وہ کتنا اعلیٰ اور عظیم تعمیری اور مفید انسانیت فکری ائتلاف کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اُس کی اپنی ترکیبی ہیئت (COMPOSITION) میں کیا مثبت تبدیلیاں آتی ہیں۔ یہ ہم مسلمانوں کی محنت، ہمّت اور اجتہادی قوتوں پر منحصر ہے۔

اِس عہد کی عظیم ذمّہ داری ہمارے کاندھوں پر ہے اور آنے والے وقت کی

قوتیں ہمیں نئی منزلوں اور نئے افق کی طرف آواز دے رہی ہیں۔ اگر ہم نے اسلامی فلسفۂ حیات کو جامد اور بانجھ فلسفہ کی حیثیت دیئے رکھی اور اسے وقت اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ بدلنے کی رعایت سے محروم رکھا تو وقت کے مفتی کا فتویٰ ہمارے خلاف صادر ہوگا اور ہم بھی ماضی کے حوالے کر دیئے جائیں گے اور حق تعالیٰ "یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ" کے قرآنی قانون کے مطابق پھر کسی نئے غیر اسلامی انقلاب کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرے گا۔ اقبال نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ ؎

اُمّتے بر اُمّتے دیگر چرد — دانہ ایں می کارد آں حاصل بُرد
از ضعیفاں ناں ربودن حکمت است — از تنِ شاں جاں ربودن حکمت است
شیوۂ تہذیبِ نو آدم دری است — پردۂ آدم دری سوداگری است
ایں بنوک، ایں فکرِ چالاکِ یہود — نورِ حق از سینۂ آدم ربود!
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام — دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

ان عظیم اشعار میں اقبال نے ملّتِ اسلامیہ کو بتایا ہے کہ اُس کے زوال اور تباہی و انتشار کا اصلی سبب اس کا جاگیرداری اور سرمایہ داری معاشی نظام ہے۔ اقبال کا فیصلہ ہے کہ ملّت کے زوال و انتشار کو نہ تو جدید تعلیم کا حصول بچا سکتا ہے اور نہ ہی جاگیردارانہ عہد کی پروردہ تہذیب اور اسلام کی سرمایہ دارانہ تعبیر کا احیاء۔ ملّت کے تنِ مردہ میں زندگی کا تازہ خون تبھی دوڑ سکتا ہے جب وہ اس استحصالی نظامِ معیشت سے نجات پائے گی۔ اقبال کے نزدیک یہ نظامِ معیشت آکاس بیل کی طرح ہے جو کہ شجرِ حیات کا سارا رس خود پی کر ترو تازہ ہوتی چلی جا رہی ہے، اور درخت سوکھتا چلا جا رہا ہے۔ اقبال کے نقطۂ نظر سے جب تک یہ نظامِ معیشت موجود ہے، اقامتِ دین اور احیائے اسلام کی ساری کوششیں ناکام رہیں گی۔ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کا خواب دیکھنے والی تحریکوں اور اداروں کا فرض ہے کہ وہ اس نظامِ معیشت کے خلاف اپنی فکری اور عملی جدّوجُہد کو تیز کر دیں تاکہ اُن کا خواب پورا ہو سکے۔ ورنہ ناکامی اُن کا مقدّر رہے، جیسا کہ آج تک ہوتا آیا ہے۔ اقبال نے کہا ؎

تدبّر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا — جہاں میں جس تمدّن کی بنا سرمایہ داری ہے

بقیہ صفحہ ۶۴ پر دیکھیں

ڈاکٹر محمد نذیر مسلم

نیکی میں سبقت

کا جذبہ اسلامی معاشرہ کی جان ہے

انسان فطری طور پر سبقت پسند ہے۔ وہ زندگی کی دوڑ میں دوسروں سے بازی لے جانے کا بے پناہ جذبہ لئے ہوئے ہے۔ انسان کا یہی جذبہ اس کی بے کیف زندگی میں بہار لاتا اور خاموش فضاؤں میں ہماہمی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ ایک بچہ کھیل کے میدان میں اپنے ہمجولیوں کو مات دے کر جو حظ محسوس کرتا ہے وہ اسے کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔ تعلیمی مقابلے طالب علموں میں تعلیم کا ذوق و شوق اُبھارتے ہیں۔ ادبی حلقوں میں یہی جذبہ نئی تخلیقات کا ذریعہ بنتا ہے۔ سائنس دانوں میں مسابقت کا ذوق و شوق ایجادات کی نئی راہیں کھولتا ہے۔ ایک طالب علم کی یہ تمنا ہے کہ وہ علم کے میدان میں سب سے بازی لے جائے۔ ایک پہلوان زمانہ بھر کے پہلوانوں سے اپنی قوت کا لوہا منوانا چاہتا ہے۔ ایک سپہ سالار کی یہ خواہش ہے کہ اُسے خالد و طارق اور اسکندر و نپولین کی صف میں جگہ ملے۔ غرضیکہ جو شخص جس میدان میں مصروفِ عمل ہے وہ اس میدان میں اپنے ہمسروں سے کوسوں آگے نکل جانے کی سرتوڑ کوشش کرتا ہے۔ اگر انسان کا یہ جذبہ فطری حدود میں رہے تو اس میں انسانیت کی فوز و فلاح کے بے شمار پہلو ہیں۔ لیکن اگر یہ جذبہ کوئی غلط رُخ اختیار کرے تو اس سے ایسے ایسے فتنے رُونما ہوتے ہیں کہ جنھیں دیکھ کر انسانیت چیخ اٹھتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر زور آزمائی کا جذبہ کشتی کے میدان کے بجائے مار دھاڑ اور قتل و غارت کی راہ اختیار کرے تو یہی انسان ڈاکوؤں اور رہزنوں کا سرخیل بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح اگر زر اندوزی کا بھوت کسی کی گردن پر سوار ہو جائے تو یہی جذبہ انسان کو سمگلر، ذخیرہ اندوز حتیٰ کہ ملت فروش تک بنا دیتا ہے۔ بعینہٖ اگر قومیت و وطنیت کا نشہ کسی کی فتورِ عقل کا باعث بن جائے تو پھر یہی انسان ہٹلر اور مسولینی کے رُوپ میں دُنیا کے سامنے آتا ہے۔ اور اگر کسی قوم کے اجتماعی نظریات میں فتور آجائے تو

یہی جذبہ ذات پات کی تمیز اور رنگ ونسل کی برتری کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ آج سے چودہ سو سال پیشتر انسان کا یہی جذبہ ایک غلط رخ اختیار کر چکا تھا۔ ایک عرب اپنے قومی میلوں میں اپنا قبائلی اور نسلی تفوق جتاتا تھا۔ کوئی لوٹ مار اور قتل و غارت کے کارناموں کو فخر سے بیان کرتا تھا۔ کوئی اپنی عشق بازی کی داستان مزے لے لے کر سناتا تھا۔ کوئی مےنوشی اور شاہد پرستی کی حکایت نمک مرچ لگا کر پیش کرتا تھا۔ غرضیکہ عرب کا انسان قتل و غارت، لوٹ مار، فسق و فجور، بے حیائی و بدکاری اور نسلی و قبائلی برتری کی دوڑ میں اپنے ہم عصروں کو مات دینے میں مصروف تھا کہ عین انہی حالات میں قرآن کی الہامی زبان سے دلوں کو وجد میں لانے والے نغمے پھوٹے اور عرب کی فضائیں ایمان و اسلام کے پاکیزہ جذبات کا مظہر بن گئیں۔ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا تھا :۔

"خوب جان لو دنیا کی زندگی محض لہو ولعب، زینت، ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے پر اپنی برتری جتلانا ہے۔ اس کی مثال بارش کی سی ہے، جس کے ذریعہ اگنے والی نباتات کسان کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ قوت پکڑتی ہے اور پھر تو اسے زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔ خوب یاد رکھو آخرت میں عذابِ شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی۔ اور دنیاوی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔ دوڑ لگاؤ اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنّت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے مانند ہے اور جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور اللہ ہی بڑے فضل والا ہے۔" (الحدید رکوع ۳)

"اور دوڑ لگاؤ اللہ کی مغفرت کی طرف اور اس جنّت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے مانند ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔" (آل عمران آیت ۱۳۳)

"نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرو۔" (البقرہ ۱۴۸)

"اور اس میں (آخرت کی نعمتوں کی حرص میں) ایک دوسرے سے آگے بڑھنے

والوں کو آگے بڑھنا چاہیئے۔ (سورۂ مطففین آیت ۲۶)

قرآن کی اس ولولہ انگیز اور ایمان افروز پکار نے عربوں کے دل ہلا دیئے اور کتابِ الٰہی نے ان کی سوچ بچار کے زاویے بدل کر رکھ دیئے۔ عرب کے انسان میں بازی جیت جانے کا جذبہ فطری حدود کا پابند ہو چکا تھا۔ اب اس جذبہ کا مرکزی نقطہ سرتاپا تبدیل ہو گیا تھا کیونکہ اب اُن کے مابین مقابلہ سفلی جذبات کے لئے نہیں بلکہ لافانی مسرّتوں کے لئے تھا۔

جب اصحابِ رسول نیکی کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا جذبہ لے کر اٹھے تو انہوں نے انسانیت کے سامنے مقابلہ کی ایک ایسی مثال قائم کی جس کا نتیجہ ایک دوسرے کی غم خواری، حق و صداقت کی سربلندی، عدل و انصاف کا قیام، غربا پروری کا ذوق و شوق، محبّتِ رسول کی تمنّا، رضائے الٰہی کی طلب اور آخرت کی کامیابی کے ولولے ہیں——!!

لیجیئے مدینہ کے چند مفلس مسلمان رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہیں اور عرض پرداز ہیں: "اے اللہ کے رسول! امّت کے مالدار نیکی میں ہم سے آگے بڑھ گئے۔ ہم نمازیں پڑھتے ہیں وہ بھی نمازیں ادا کرتے ہیں۔ ہم روزے رکھتے ہیں وہ بھی روزے رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس مال نہیں ہے، وہ اپنے مال کے ذریعے صدقہ و خیرات کرتے ہیں، حج و عمرہ کے لئے جاتے ہیں اور جہاد کا ساز و سامان کرتے ہیں۔" حضورؐ نے فرمایا: "اچھا میں تمھیں وہ عمل بتائے دیتا ہوں کہ جب تک کوئی دوسرا وہی عمل نہیں کرے گا، نیکیوں میں تم سے برابری نہیں کر سکے گا"—— فرمایا: "ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰہِ، ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، ۳۴ بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھا کرو!" غربا کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں کیونکہ اُن کے لئے ہاری ہوئی بازی جیتنے کا سامان ہو گیا تھا۔ مگر جب امرا نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہر فرض نماز کے بعد ٹھہر کر کوئی چیز پڑھتے ہیں تو انہوں نے اپنے غریب بھائیوں سے دریافت کیا کہ نماز کے بعد آپ ٹھہر کر کیا پڑھتے ہیں؟ چونکہ وہاں رشک تھا حسد نہیں تھا، نیکی کمانے کی تمنّا تھی علم کو چھپانے کا جذبہ نہ تھا، انہوں نے پوری بات من و عن ان کے سامنے بیان کر دی۔ اب امرا نے بھی حمد و ثنا کے ان کلمات کو ہر نماز کے بعد اپنا وظیفہ بنا لیا۔ غربا دوبارہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہمارے امرا نے بھی حضورؐ کے بتائے ہوئے کلمات کو ہر نماز کے بعد پڑھنا شروع کر دیا۔" حضورؐ نے شفقت سے فرمایا: "یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے

عطا کر دے"۔

مگر جان نثارانِ رسولؐ مغفرت و رحمت کی جس راہ پر چلے تھے، ضروری نہیں کہ اس راہ میں مال ہی کی حیثیت ہو وہاں جذبۂ خیر کے ساتھ ساتھ جس قدر زیادہ نیّت میں خلوص ہو گا اسی قدر زیادہ بارگاہِ الٰہی میں قدر و منزلت کا مقام پائے گا۔ دیکھئے دنیا کی ایک عظیم الشّان سلطنت کی طرف سے مدینہ پر حملہ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ حضورؐ نے اسلامی سلطنت کی حدود سے باہر نکل کر دشمن کو روکنے کا فیصلہ فرمایا۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ مسلمان بڑھ چڑھ کر جہاد کی تیاری میں حصّہ لیں۔ چنانچہ آپؐ نے لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور جہاد پر خطبہ ارشاد فرمایا اور اللہ کی راہ میں مال و متاع خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ نیز زبانِ رسالت سے یہ الفاظ ادا ہوئے کہ لشکر کے تہائی حصّہ کا سامان کون کرے گا؟ حضرت عثمانؓ اٹھے اور عرض کیا: "یارسول اللہ! لشکر کے تہائی حصّہ کا سامان مَیں کروں گا"۔ حضورؐ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا فرمایا: "آج کے بعد عثمانؓ جو چاہیں کریں اُن پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا"۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس موقعہ پر میرے گھر میں کچھ مال آیا تھا، مَیں نے سوچا کہ آج موقعہ ہے کہ مَیں ابوبکر صدیقؓ سے بازی لے جاؤں۔ چنانچہ مَیں نے گھر آ کر مال و اسباب کو دو برابر حصّوں میں تقسیم کیا۔ آدھا مال گھر کی ضروریات کے لئے چھوڑ دیا اور آدھا حضورؐ کی خدمت میں لاکر پیش کر دیا۔ آپؐ نے پوچھا، "عمرؓ! کیا لائے"؟ مَیں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! نصف مال گھر چھوڑ آیا ہوں اور نصف اللہ کی راہ میں لے آیا ہوں"۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اپنا سامان لئے آ پہنچے۔ حضورؐ نے اُن سے بھی دریافت فرمایا کہ: "اے ابوبکرؓ! کیا لائے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "اے اللہ کے رسولؐ! جو کچھ گھر میں تھا، لے آیا ہوں اور گھر میں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی محبّت چھوڑ آیا ہوں"۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے دل میں کہا کہ یہ ایک موقعہ تھا کہ مَیں ابوبکر صدیق سے بازی لے جاتا، مگر آج بھی میدان انہی کے ہاتھ رہا۔ یہ بھی ایک دوڑ ہے جو دو انسانوں کے درمیان جاری ہے۔ مگر یہ کتنی پاکیزہ اور دلربا دوڑ ہے۔

مگر ٹھہریئے اِس دوڑ کا تکمیلی نقطہ نہیں آیا۔ اِسی مدینہ میں ایک قلّاش اور فاقہ زدہ مسلمان ابوعقیل انصاریؓ بھی موجود ہیں۔ مسجدِ نبویؐ میں مال و اسباب دیکھتے ہیں تو دل بے چین ہو جاتا ہے۔ دل سے حسرت کا دھوّاں اٹھتا ہے کہ مَیں نے اس نازک وقت میں اسلام کی کیا خدمت کی! اُن کی طبیعت میں ایک اضطراب ہے، جس کا کوئی علاج نظر نہیں آتا۔ دل میں ایک درد ہے

مگر اس درد کا کوئی درماں سجھائی نہیں دیتا۔گھر میں فاقہ ہے مگر انہیں گھر والوں کے فاقہ کی اتنی تشویش نہیں۔ انہیں اگر کوئی غم کھائے جا رہا ہے تو یہی کہ وہ امتحان کی کٹھن گھڑیوں میں نصرتِ اسلام میں دوسروں سے پیچھے رہ گئے۔اسی ادھیڑ بن میں وہ اپنی قسمت پر فریاد کناں اپنے ربّ سے لو لگائے بیٹھے ہیں کہ یکایک ان کے دماغ میں ایک خیال نے راہ پائی۔ دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور آنکھوں میں اُمید کے چراغ روشن ہو گئے۔ تمام رات ایک یہودی کے باغ کو سینچا اور علی الصبح چند سیر کھجوریں مزدوری میں ملیں۔ ابو عقیل انصاریؓ کا دل خوشی سے بلّیوں اچھلنے لگا۔ انہوں نے آدھی کھجوریں گھر دے دیں اور آدھی کھجوریں پلّو میں باندھ کر مسجدِ نبوی کی طرف بڑھے، مگر جب مسجد میں مال و متاع کا عظیم الشّان ذخیرہ دیکھا تو اپنی متاعِ حقیر کے تصوّر سے پانی پانی ہو گئے۔ چاہا کہ نظریں بچا کر ان چند کھجوروں کو ایک کونہ میں گرا دیں کہ اچانک انہیں محبّت میں ڈوبی ہوئی ایک آواز نے چونکا دیا۔" ابو عقیل کیا لائے ہو"؟ اگرچہ حضورؐ کی آواز میں شفقت رچی بسی تھی۔ مگر ابو عقیلؓ اپنی متاعِ حقیر کے تصوّر سے زمین میں گڑے جا رہے تھے شرم سے نگاہیں جھک گئیں اور عرض کیا :" حضورؐ ! چند کھجوریں لایا ہوں " رسولِ خداؐ کے رُخِ مبارک پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کھجوریں مبارک ہاتھوں میں لے کر مال و متاع کے ڈھیر پر پھیلا دیں اور فرمایا :" ابو عقیل کا یہ عطیہ اللہ کی نظر میں اس سارے ساز و سامان سے زیادہ قیمتی ہے "۔ اور حضرت ابو عقیل انصاریؓ بازی جیت گئے۔

اُحد کی وادی میں میدانِ کارزار گرم ہونے والا ہے۔ حضورؐ یکایک ایک تلوار بلند کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :" آج اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا " کتنے ہی ہاتھ اس تلوار کو پا لینے کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔ کتنے ہی دل اس تمنا سے مچلتے ہیں کہ آج یہ سعادت میرے حصّہ میں آئے کیونکہ آج اس تلوار کو پا لینا دین و دنیا کی سعادت کو پا لینا ہے۔ یہ تلوار ظلم و جور اور شقاوت کی تلوار نہیں ہے بلکہ یہ تلوار حق کی پاسبان اور باطل کی کاٹ کی تلوار ہے سینکڑوں نگاہیں اس تلوار میں اٹکی ہوئی ہیں، اتنے میں حضرت ابو دجانہؓ آگے بڑھتے ہیں اور عرض کرتے ہیں :" یا رسول اللہ ! اس تلوار کا حق میں ادا کروں گا۔ حضورؐ کمال شفقت سے تلوار انہیں تھما دیتے ہیں حضرت ابو دجانہؓ اس سعادت پر نازکناں، اٹھلاتے، مچلتے، جھکتے، تنتے کبک دری کی چال چلتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا :" اللہ کو یہ چال ناپسند ہے مگر اب اس حال میں پسند ہے "۔ کیونکہ یہ چال کبر و نخوت کی چال نہ تھی بلکہ راہِ خدا میں سبقت لے جانے پر جذب و شوق کی چال تھی جس پر

فرشتے نثار اور قدسیاں رشک کناں تھے۔

• کتنے ہی دنوں سے خیبر کے ناقابلِ تسخیر قلعہ پر حملوں کا سلسلہ جاری ہے مگر قلعہ بہت بلندی پر یوں سینہ تانے کھڑا ہے کہ گویا وہ اہلِ ایمان کے جوشِ ایمانی اور یقینِ محکم کا امتحان لے رہا ہے۔ ایک دن سرِ شام لسانِ رسالت ؐ گویا ہوئی: "کل اُسے علَم دیا جائے گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا۔" اِدھر زبانِ مبارک سے الفاظ کے موتی بکھرے اُدھر دل محوِ دعا ہو گئے۔ رات بھر علَم کے چرچے ہیں، قیاس آرائیاں ہیں کہ دیکھئے صبح کس کی قسمت کا ستارہ چمکے۔ امید و بیم کی حالت میں رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ ہر دل میں ایک ہی تمنا ہے کہ علَم مجھے عطا ہو۔ کس لئے کہ علَم سرداری کا ذریعہ ہے یا دُنیوی عروج کا زینہ ہے؟ نہیں نہیں بلکہ اس لئے کہ راہِ حق میں پیش قدمی کا روشن نشان ہے۔ حضرت عمرؓ تک چاہتے ہیں کہ علَم میرے حصّہ میں آئے۔ مگر جب ہادی کی آواز فضاؤں میں گونجی کہ: "علیؓ کہاں ہیں!"؟ تو دلوں میں کوئی حسد نہیں تھا، پیشانیوں میں نورِ ایمان کی تابانی تھی، چہرے وفورِ جذبات سے سرخ ہو رہے تھے اور آنکھیں محبت سے بچھی جا رہی تھیں کہ آج کے دن حضرت علیؓ راہِ حق میں سبقت لے چکے تھے۔ حضرت علیؓ وفورِ جذبات سے آگے بڑھتے ہیں، نبیؐ کے مقدّس ہاتھوں سے علَم لیتے ہیں اور صحابہؓ کی معیّت میں حق و باطل کی وہ فیصلہ کن جنگ بپا کرتے ہیں کہ آخر کار قلعہ کا دروازہ وا کئے دیتے ہیں اور فاتحِ خیبر کہلاتے ہیں۔

اُمّ المؤمنین عائشہؓ ان گنت ستاروں پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ دفعتہً سطحِ دماغ پر ایک سوال اُبھرتا ہے اور حضورؐ سے پوچھتی ہیں: "اے اللہ کے رسولؐ! بھلا کسی کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر بھی ہوں گی؟" حضورؐ تبسّم کناں فرماتے ہیں: ہاں عمرؓ بن خطاب کی نیکیاں! اُمّ المؤمنینؓ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئیں وہ جن کے نورِ فراست سے لاکھوں دلوں میں فراست کے چراغ جگمگائے وہ بھلا اس سوچ سے ناواقف تھے؟ امّ المؤمنین نے بیقرار ہو کر پوچھا: "یارسول اللہ! میرے باپ کی نیکیاں؟" فرمایا: عائشہ! تمہارے باپ کی ایک رات (غارِ ثور) کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں۔" ام المؤمنین کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا کیونکہ ان کے باپ حیاتِ ابدی کی دوڑ میں آگے تھے۔

عید کا دن ہے اُمّ المومنین عائشہ کے حجرے میں بچیاں دف بجا کر گا رہی ہیں۔ حضورؐ تشریف لائے، بچیاں اپنے شغل میں محو ہیں۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ آئے، گانے بجانے کا مشغلہ جاری ہے ادھر حضرت عمرؓ کی آواز اُن کے کانوں میں آئی ادھر وہ دف چھوڑ، گانا بھول، اِدھر اُدھر جا چھپیں

حضرت عمرؓ اجازت لے کر اندر آئے، حضورؐ کو ہنستے ہوئے دیکھا تو عرض کیا: "میرے ماں باپ قربان! آپؐ کس چیز پہ ہنس رہے ہیں۔ آپؐ نے بچیوں کی داستان کہہ سنائی تو حضرت عمرؓ کی پُررعب آواز گونجی: "اے اپنی جان کی دشمنو! رسول اللہؐ سے نہیں شرماتیں اور مجھ سے شرماتی ہو؟" بچیاں جواب دیتی ہیں، آپ سخت مزاج ہیں اور حضورؐ نرم خُو ہیں۔ حضورؐ مسکرا کر فرماتے ہیں: "عمرؓ جس وادی میں قدم رکھتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے!"

حضورؐ گھر میں لیٹے ہوئے ہیں، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ حاضر ہوتے ہیں۔ آپؐ بدستور لیٹے رہتے ہیں۔ اتنے میں حضرت عثمانؓ اجازت طلب کرتے ہیں۔ آپؐ فوراً اُٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور چادر ٹخنوں تک درست کر لیتے ہیں۔ جب تینوں اصحاب واپس لوٹ گئے، تو امّ المومنین حضرت عائشہؓ پوچھتی ہیں کہ: "اے اللہ کے رسول جب ابوبکرؓ اور عمرؓ آئے تو آپؐ لیٹے رہے مگر جب عثمانؓ آئے تو آپؐ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور چادر کو ٹخنوں تک درست کر لیا۔" حضورؐ نے فرمایا: "کیا میں اُس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں!" حیا ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے اور اس شعبہ میں حضرت عثمانؓ کا عمل دوسروں کے لئے ایک قابلِ رشک نمونہ تھا۔

راہِ حق میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں کبھی کبھار صحابہ کرامؓ میں باہم چشمک بھی ہو جاتی تھی، مگر اس میں بھی کسی حسد یا بڑائی کے جذبہ کا کوئی دخل نہ تھا۔ بلکہ اس راہ میں پیش قدمی سے سرور و نشاط کی جو کیفیت پیدا ہوتی تھی، بسا اوقات اس کیفیت کا بے ساختہ اظہار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن حضرت اسماءؓ بنت عمیس ام المومنین حضرت حفصہؓ کی ملاقات کے لئے آئیں، وہ مہاجرینِ حبشہ میں سے تھیں، جنھیں سفینہ والے اور حبشہ والے کہا جاتا تھا۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی اپنی بیٹیؓ کے یہاں آگئے اور اُن سے دریافت کیا کہ گھر میں اور کون ہے؟ حضرت اسماءؓ نے سُن کر جواب دیا کہ میں اسما بنت عمیس ہوں آپ بولے: "اچھا حبشہ والی، سفینہ والی!" پھر کہا: "ہم لوگ ہجرت میں تم سے سبقت لے گئے، اور ہم رسولِ خدا ؐ کے تم لوگوں سے زیادہ حق دار ہیں۔" حضرت اسماءؓ آپؓ کی اس بات سے ملول ہو گئیں اور بولیں: "واللہ آپ لوگ حضورؐ کے ساتھ تھے، حضورؐ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے جاہلوں کو تعلیم دیتے تھے اور ہم اللہ اور اُس کے رسولؐ ہی کے لئے حبشہ کی دور دراز سرزمین میں

پڑے تھے، اللہ کی قسم میں تو کھاؤں پیوں گی نہیں جب تک حضورؐ کے سامنے آپ کی بات بلاکم و کاست پیش نہ کردوں"۔ اتنے میں حضورؐ تشریف لائے اور حضرت اسماء رضؓ نے پوری بات آپؐ کے سامنے دُہرادی۔ آپؐ نے فرمایا: عمر رضؓ اور اُس کے ساتھی آپ لوگوں سے زیادہ مجھ پر حق نہیں رکھتے کیونکہ انہوں نے ایک بار ہجرت کی ہے اور آپ لوگوں نے دوبار ہجرت کی ہے"۔ حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سُن کر حضرت اسماء رضؓ باغ باغ ہوگئیں اور مہاجرین حبشہ کا تو یہ حال تھا کہ وہ جوق درجوق حضرت اسماء رضؓ کے پاس آرہے تھے تاکہ وہ من وعن ان کلمات کو اپنے کانوں سے سنیں کہ جنھوں نے مہاجرین مدینہ پر انہیں فضیلت عطا کردی تھی۔

جیساکہ مَیں پہلے بیان کرچکا ہوں مدینہ کے اس ماحول میں سبقت لے جانے والوں سے کسی کو کوئی حسد نہ تھا بلکہ رشک کے نور سے دلوں میں ایک تابانی تھی جو انہیں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے پر ابھارتی تھی جسے راہِ حق میں سبقت کی نوید مل گئی۔ اس کی رفتار تیز تر ہو جاتی کہ کہیں دوسرے اس سے آگے نہ بڑھ جائیں۔ نیز اس ابدی کامیابی پر اگر وہ سرور و نشاط کی کیفیت میں کھوجائیں اور رضائے الٰہی کی نوید پاکر اپنی خوش بختی پر نازاں ہوں تو یہ عین تقاضائے فطرت ہے۔ چنانچہ حضرت سعد رضؓ بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ "میدانِ احد میں رسولِ خداؐ میری اوٹ میں تھے اور مجھے تیر پکڑا کر فرماتے تھے: "اے سعد! تم پر میرے ماں باپ قربان اس طرف تیر پھینکو"۔ اور پھر حضرت سعد رضؓ کا سر فخر سے اونچا ہوجاتا اور خوشی کے نشہ میں جھوم کر فرماتے: "حضورؐ نے یہ الفاظ میرے سوا اور کسی کے لئے استعمال نہیں کئے"۔ فی الحقیقت راہِ محبت میں حضرت سعد رضؓ کی یہ ایسی کامیابی تھی کہ جس پر فرشتے بھی رشک کرتے تو بجا ہوتا۔

پھر مدینہ کی اس سوسائٹی میں کسی کو کسی کی فضیلت کے اعتراف میں کوئی بخل نہ تھا۔ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ "ابوبکر رضؓ ہم میں سب سے زیادہ شجاع ہیں کہ انہوں نے بدر میں حضورؐ کے خیمہ پر پہرہ کی ذمہ داری قبول کی، حالانکہ کوئی دوسرا اس ذمہ داری کو اٹھانے کیلئے تیار نہ تھا ——!!

ایک شخص کی منزلِ مقصود اگر دولت جمع کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو کر تو دولت جمع نہیں کرسکتا۔ بلکہ وہ تو اپنی جان کو کانٹے کی چبھن سے بھی بچائے گا تاکہ وہ اپنی جمع کی ہوئی دولت سے آنکھوں کو ٹھنڈا کرسکے، دولت مند کہلائے اور دادِ عیش دے۔ اسی طرح اقتدار کا طالب بھی یہ چاہتا ہے کہ اُس کی جان بھی بچ جائے اور اقتدار بھی حاصل ہوجائے تاکہ وہ

صاحبِ اقتدار بن کر زندگی کے مزے لوٹے اور انا ولاغیری کا ڈنکا بجائے۔ مگر ایک مومن کا معاملہ ان سب سے جدا ہے اس کی منزل مقامِ رضا ہے۔ اگر اُسے یقین ہو جائے کہ وہ مال لُٹا کر اور جان دے کر اللہ تعالیٰ کی رضا کو پالے گا تو اُسے جان و مال کی بازی لگا دینے میں بھی کوئی باک نہ ہوگا، بلکہ وہ تو جان دے کر بھی کہے گا ؎

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

چنانچہ قرونِ اُولیٰ کے مردِ مومن کو جب بھی یہ نوید ملی کہ وہ جان دے کر اللہ کی رضا کو پالے گا تو اس نے بلا ادنیٰ توقف جان کی بازی لگا دی۔ دیکھئے حضرت وہبؓ بن قاموس اُحد کے میدان میں تلوار بکف ہیں کہ اتنے میں کفّار کا سیلاب حضورؐ کی طرف بڑھا۔ آپؐ نے فرمایا: "جو ان کو منتشر کر دے گا وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔" حضرت وہبؓ مردانہ وار آگے بڑھے اور کفّار کے چھکے چھڑا دیئے۔ اتنے میں کفّار کا دوسرا دستہ ذاتِ اقدسؐ پر حملہ کے لیے آگے بڑھا حضورؐ نے فرمایا: "جو انہیں تتر بتر کر دے وہ جنّت میں میرے ساتھ ہوگا!" حضرت وہبؓ بپھرے ہوئے شیر کی طرح آگے بڑھے اور کفّار کی صفیں اُلٹ کر رکھ دیں۔ اتنے میں دشمن کا تیسرا دستہ رسولِ خداؐ پر حملہ کے لئے جھپٹا۔ آپؐ نے فرمایا: جو ان کو مار بھگائے وہ جنّت میں میرا ہمراہی ہوگا۔ حضرت وہبؓ پھر شاہین کی طرح جھپٹے اور دشمنوں کو مار بھگایا اور خود بھی شہادت سے سرفراز ہوئے۔ سعد بن وقاصؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے کبھی کسی کو وہبؓ جیسی سرفروشی کا مظاہرہ کرتے نہیں دیکھا۔ حضورؐ جنگ کے بعد سخت زخمی ہونے کے باوجود حضرت وہبؓ کے سرہانے کھڑے تھے اور فرماتے تھے: "وہبؓ! اللہ تم سے راضی ہو، مَیں تم سے راضی ہوں۔" حضرت عمر فاروقؓ کہتے ہیں کہ مجھے زندگی میں کسی کے عمل پر اتنا رشک نہیں آیا جتنا وہبؓ کے عمل پر آیا۔ کاش! مَیں بھی اللہ کے ہاں وہبؓ جیسا عمل لے کر جاؤں۔

اسی میدانِ احد میں جنگ سے پہلے دو مجاہد مصروفِ دُعا ہیں۔ ایک دُعا کرتا ہے اور دوسرا اس دعا پر اللہ تعالیٰ سے شرفِ قبولیّت بخشنے کی استدعا کرتا ہے، اور دونوں کو اپنی دعا کی قبولیّت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ اُن کے دل کی گہرائیوں میں ایمان اور اخلاص کی دولت موجود ہے۔ پہلے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص دعا کرتے ہیں کہ "اے میرے معبود کل میدانِ جنگ میں میرا ایک قوی اور بہادر شخص سے مقابلہ ہو پھر مَیں اُس پر فتح پاؤں اور مالِ غنیمت حاصل کروں۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش کے ہاتھ دعا کیلئے اٹھے کہ:

"اے میرے خدا! میرا بھی ایک زور آور دشمن سے مقابلہ ہو، ہمارے درمیان گھمسان کا رن پڑے، پھر میرا دشمن مجھے قتل کر دے، میرے ناک کان کاٹ ڈالے اور جب قیامت کے دن میں تیرے دربار میں آؤں تو تُو سوال کرے کہ اے عبداللہ! تیرے ناک کان کیا ہوئے؟ تو میں عرض کروں کہ: "تیرے اور تیرے رسولؐ کی راہ میں کاٹ ڈالے گئے اور پھر تُو فرمائے اے عبداللہ تو نے سچ کہا۔" اس پر حضرت سعدؓ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: "اے میرے معبود میرے ساتھی کی دعا کو شرفِ قبولیت عطا کر۔" پھر دونوں کی دُعا حرف بحرف پوری ہوئی! حضرت سعدؓ اپنے دشمن پر غالب رہے اور حضرت عبداللہؓ اس طرح میدان میں لڑے کہ لڑتے لڑتے اُن کی تلوار ٹوٹ گئی۔ پھر دشمنوں نے انہیں شہید کر کے ان کی لاش کا مثلہ کر دیا اس کے بعد حضرت سعدؓ برملا اعتراف کیا کرتے تھے کہ: "بلاشبہ عبداللہؓ کی دُعا میری دُعا سے کہیں بہتر تھی۔"

حضرت عبداللہ ذُوالبجادینؓ تبوک کے سفر میں حضورؐ سے عرض کرتے ہیں: "یارسول اللہ آپ میرے لئے شہادت کی دعا فرمائیں۔" آپؐ انہیں شہادت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ حضرت عبداللہ مقامِ تبوک پہنچ کر بیمار ہوئے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ صحابہؓ نے قبر کھودی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ان کے جسمِ اطہر کو ہاتھوں میں لئے قبر میں اُتار رہے ہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں: "اپنے بھائی کو احترام سے میری طرف اتارو۔" پھر آپ نے اس پاکیزہ جسم کو قبر میں رکھ کر جب یہ دُعا فرمائی: "اے اللہ! میں عبداللہ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔" تو کتنے ہی دل اس تمنا سے تڑپ اُٹھے کہ کاش! ہم اس قبر میں دفن ہوتے یہاں تک کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود تو زبانِ قال سے پکار اُٹھے: "یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ صَاحِبَ الْحُفْرَۃِ!" (کاش! میں اس قبر میں دفن ہوتا!)

غرضیکہ اس معاشرہ میں نیکی کی دوڑ میں کوئی مال کے ذریعہ آگے بڑھ رہا ہے، کوئی شجاعت و بہادری کی راہ سے بازی جیت رہا ہے، کوئی امتثالِ امر کے ذریعہ میدان مار رہا ہے، کوئی ہجرت کے ذریعہ سبقت لئے جا رہا ہے۔ کوئی جان دے کر جنت خرید رہا ہے، اور ان میں سے ہر ایک کی یہی تمنا ہے کہ وہ کمالِ طاعت سے اطاعتِ رسول کا حق ادا کر دے اور اپنے جان و مال، خیالات و جذبات کی قربانی دے کر اللہ کی رضا کو پالے فی الحقیقت نیکی میں سبقت کا جذبہ اسلامی معاشرہ کی جان ہے اور جب تک کسی معاشرہ میں یہ جذبہ دوسرے تمام جذبات پر حاوی نہ ہو جائے تو مسلمانوں کا معاشرہ صحیح اسلامی معاشرہ کہلانے کا ہرگز حقدار نہیں بن سکتا!

بقیہ عرض احوال صد ۸ سے آگے

کوئی دوسرا عوامی پروگرام نہیں رکھیں گے تاکہ موصوف اپنی پوری توجّہ اور اوقات اس تعلیمی تدریسی اور تربیتی پروگرام کے لئے وقف کرسکیں۔ اس تربیت گاہ میں ان شاء اللہ مطالعۂ قرآن، درسِ حدیث، سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ، دعوتی لٹریچر کا مطالعہ، عربی کی تدریس اور تجوید و قرأت کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ قیام و طعام کا انتظام قرآن اکیڈمی میں ہی ہوگا۔ جولائی میں اسکولوں اور کالجوں میں تعطیلات ہوں گی۔ لہٰذا اساتذہ اور طلبہ بھی اس میں آسانی سے شریک ہوسکیں گے۔

توقع ہے کہ 'تنظیم اسلامی' کے رُفقاء، مرکزی انجمن کے وابستگان اور دیگر طالبانِ علم اس تربیت گاہ سے استفادے کی پوری کوشش کریں گے اور جو حضرات دفاتر میں کام کرتے ہیں وہ ایک ماہ کی چھٹی لینے کا انتظام پیشگی کرسکیں گے۔ 'تنظیم اسلامی' کے رُفقاء سے خصوصی طور پر درخواست ہے کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی ہر امکانی سعی کریں۔ اس تربیت گاہ میں شریک ہونے والے حضرات سے ۲۲ رجون ۷۸ء تک اپنے فیصلے اور آمد کے پروگرام سے مطلع کرنے کی درخواست ہے۔ چونکہ بے وقت اور بغیر اطلاع آنے والوں کی وجہ سے نظم میں خلل واقع ہوتا ہے۔

دیگر دعوتی کام | الحمد للہ مسجد خضرا سمن آباد میں قبل جمعہ درسِ قرآنِ حکیم کا سلسلہ جاری ہے۔ سورۂ مومنون کا مطالعہ مکمل ہوچکا ہے۔ اب اِنْ شاءَ اللہ وہاں سورۂ نور کا آغاز ہوگا۔ مزید برآں نمازِ فجر کے بعد قرآن اکیڈمی میں ڈاکٹر صاحب نے "اربعینِ نوویؒ" سے پندرہ منٹ کے لئے درسِ حدیث کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے۔ اپریل ہی میں ڈاکٹر صاحب نے لاہور ریڈیو کے مستقل پروگرام "صراطِ مستقیم" میں سورۂ یونس کی دو آیات پر ریڈیائی تقاریر ریکارڈ کرائیں اور ٹی۔ وی کے پروگرام "مشعلِ راہ" کے لئے "اسلام میں نیکی کا تصوّر" (آیتِ بِرّ کی روشنی میں) اور "اسلامی اخوّت" (سورۂ حجرات کی روشنی میں) ریکارڈ کرائی ہیں۔ پہلی تقریر ۲۶ راپریل اور دوسری تقریر ۷ رمئی کو ٹیلی کاسٹ ہوگی۔ اسی دوران ۲۰ راپریل کو سیرت مشن لاہور کے زیرِ اہتمام ٹاؤن ہال لاہور میں ڈاکٹر صاحب نے "بعثتِ نبویؐ کا امتیازی مقصد" کے عنوان پر ایک مقالہ پیش کیا۔ اس جلسے کے صدر جناب جسٹس اے۔ رحمٰن صاحب تھے۔ ۶ر اپریل کو ڈاکٹر صاحب "شامِ ہمدرد" کی مجلس کی صدارت کرچکے تھے، جس میں مولانا غلام مرشد

صاحب سابق خطیب شاہی مسجد خصوصی مقرر تھے اور تقریر کا عنوان تھا "اسلامی معاشرے میں اخلاق کی اہمیت"۔ اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب نے صدارتی تقریر بھی کی جو ٹیپ کرلی گئی ہے اور اس کو منتقل کر کے 'میثاق' میں پیش کرنے کا ارادہ - اِنْ شاءَ اللہ العزیز !

اس عرصے میں مختلف دوسرے اداروں میں بھی مختلف دینی موضوعات پر ڈاکٹر صاحب کی تقاریر کا سلسلہ جاری رہا۔ غرضیکہ پورا مہینہ شدید مصروفیات میں گزرا ہے اور اس میں اضافے کے امکانات نظر آرہے ہیں۔

خدا کا شکر و احسان ہے کہ دعوت رُجوعِ اِلَی القرآن ملک میں بالعموم اور لاہور میں بالخصوص جڑ پکڑ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت شاملِ حال رہی تو وہ دن دور نہیں جب یہ دعوت ایک عظیم تحریک کی صورت میں ملک کے طول و عرض میں پھیلے گی اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے راہ ہموار کرنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوگی۔ وَاللہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ

بقیہ اقبال کا معاشی تصور صفحہ ۵۲ سے آگے

اب یہ وقت بتائے گا کہ ہم نے اس سود خور سرمایہ داری نظام کو ختم کر کے انسانی اقدارِ عالیہ کو نشو و نما دینے کے کتنے امکانات پیدا کئے ہیں۔

آخر میں پھر ایک بار اقبال کی آواز سنا دینا چاہتا ہوں تاکہ ہماری اجتہادی اور عملی قوتیں بیدار ہو سکیں ؎

خدا آں ملتے را سروری داد — کہ تقدیرش بدستِ خویش بنوشت

باآں ملت سروکارے نہ دارد — کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

الحمد للہ کہ

کراچی میں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا ذیلی دفتر ۱۴۴-۱ ، سُنی پلازا ، مولانا حسرت موہانی روڈ ، پر قائم ہو چکا ہے ، جو روزانہ ۵ بجے شام سے ۸ بجے شب تک کھلا رہتا ہے نیز وہیں پر ہر جمعہ کو صبح ۹ تا ۱۲ درسِ قرآن و حدیث کی نشست ہوتی ہے !

اسرار احمد

علماءِ کرام ہوشیار رہیں!

اس بار اوائل اپریل ۷۸ء میں جب مسجد شہداء، لاہور میں مطالعۂ قرآنِ حکیم کے منتخب نصاب کے روزانہ درسِ قرآن کا آغاز ہوا تو جہاں ایک طرف یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ الحمدللہ پانچ چھ صد افراد نے ابتداء ہی سے شرکت کرنی شروع کی جن میں سے اکثر کا ذوق و شوق بھی دیدنی تھا اور پابندی اور باقاعدگی سے شرکت بھی باعثِ رشک تھی، ———— وہاں دوسری جانب یہ امر موجبِ تشویش بھی ہوا کہ علماء کے ایک خاص حلقے کی جانب سے شدید مخالفانہ اور مخاصمانہ طرزِ عمل سامنے آیا۔ اس سے قبل بھی علماء کے بعض دوسرے حلقوں کی طرف سے بدگمانیاں پھیلانے اور عوام النّاس کو برگشتہ کرنے کی کوششیں بارہا ہوئیں لیکن اُن کی یہ روش قابلِ فہم تھی اور اس پر ہمیں ہرگز کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ لیکن اس بار جس حلقے نے اس مہم کی سرگردگی کا بیڑا اٹھایا اس کی جانب سے یہ طرزِ عمل ہمارے لئے واقعتہً تعجب انگیز اور حیرت افزا تھا۔

اس ضمن میں راقم الحروف ابھی اِس سوچ ہی میں تھا کہ متعلقہ حضرات سے رابطہ قائم کر کے معلوم کیا جائے کہ اس طرزِ عمل کا اصل سبب کیا ہے۔ اس لئے کہ مشہور، مقولہ اور معقول بات یہی ہے کہ "ع دل را بدل رہیست!"، تو جب میرے دل میں ان حضرات کا احترام ہے تو ان کے دلوں میں یہ برعکس کیفیت کیونکر پیدا ہو گئی؟ پھر یہ کہ اگر میری کسی بات سے طبیعت میں تکدّر پیدا ہوا تھا تو دیرینہ مراسم اور زمانی و مکانی قرب کا تقاضا تو یہ تھا کہ پہلے مجھے طلب فرما کر وضاحت کا موقع عنایت کیا جاتا اور پھر بھی اطمینان نہ ہوتا اور غیرت و حمیّت دینی تقاضا کرتی تب بھی اس معیّن معاملے یا مسئلے ہی کی تردید و مخالفت ہوتی گویا بقول غالب:۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار — یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟
ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں — کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہے!

بہر حال راقم اسی شش و پنج میں تھا کہ اچانک عقدہ کھلا۔ اور مجلس صیانۃ المسلمین (رجسٹرڈ) منتظمہ مسجد شہداء لاہور کے صدر صاحب کے نام ایک خط آیا تو معلوم ہوا کہ اس معاملے کی پشت پر کون سا سازشی ذہن کام کر رہا ہے۔ بنا بریں ضرورت محسوس ہوئی کہ

اس فتنہ انگیز و فتنہ پرور شخص کے چہرے سے نقاب اٹھا کر اُس کا اصل رخِ کردار واضح کر دیا جائے تاکہ اگر کچھ لوگ اپنی سادہ لوحی کے باعث اس کے دامِ ہمرنگِ زمین میں گرفتار ہو رہے ہوں تو اس سے خبردار ہو جائیں - اس لئے کہ بڑے بڑے فتنوں کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اصل فتنہ انگیز لوگ معدودے چند ہی ہوا کرتے ہیں، اکثر لوگ اپنی سادگی اور مروّت و شرافت کے باعث ایسے لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور بعد میں اس فتنہ کی آگ بھڑکانے میں ایسے نیک مگر سادہ لوح لوگ زیادہ بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں! چنانچہ بعینہٖ یہی معاملہ ہوا تھا اس "الفتنۃ الکبریٰ" میں جس نے تاریخ اسلام کے عین "خیر القرون" میں ایک لاکھ کے لگ بھگ مسلمانوں کی جان لے لی تھی - کون نہیں جانتا کہ اس عظیم فتنے کی پشت پر اصل (master mind) کی حیثیت ایک یہودی کو حاصل تھی - اور کسے معلوم نہیں کہ "یہودیت" نے خود ہمارے مابین بالکل تانے بانے کی طرح فتنے کی جڑیں پھیلا رکھی ہیں - لہٰذا ضرورت ہے کہ علماء کرام کسی شخص کی باتوں پر کان دھرنے سے پہلے اس کے بارے میں تحقیق کر لیا کریں!

یہ شخص مرزا محمد حسین نامی ہے جو آج سے لگ بھگ ڈھائی برس قبل میرے حلقۂ درس میں اچانک 'ظاہر' ہوا، اور اس نے دروس میں باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ شرکت، ذوق و شوق کے اظہار اور دورانِ درس تحسین و تائید کے نعروں کے ذریعے اپنے آپ کو جلد ہی نمایاں بھی کر لیا - اس کے بعد اس نے میرے مکان پر آمد و رفت شروع کی اور "اظہارِ عقیدت" کے حد درجہ مبالغانہ طور طریقے اختیار کئے - اور یہ کام نہ صرف بالمشافہ گفتگو میں کیا بلکہ اس مقصد کے لئے طول و طویل 'عقیدت ناموں' کا سلسلہ بھی شروع کر دیا - درآنحالیکہ میری اور اس کی جائے رہائش میں کوئی خاص فصل و بُعد بھی حائل نہ تھا - اس قسم کے بے شمار "عقیدت ناموں" میں سے ایک بطور نمونہ درج ذیل ہے تاکہ لکھنے والے کی ذہنیت کا صحیح اندازہ ہو جائے!

بخدمت حضرت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ایدہُ اللہ تعالیٰ بروح القدس

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے درس قرآن سے جو دل و دماغ پر اثر ہوا - بارِ خاطر نہ ہو تو عرض کرکے عریضۂ ہذا کی تکمیل کر دوں - ؎

حاجی اس نافہ کشائی زکہ آموختۂ   کہ معطر شدہ انفاس تو کاشانۂ ما

میں ایک عرصہ سے کسی ایمان افروز اور روح افزا درس قرآن کے لئے دیدہ براہ اور گوش برآواز تھا - اور اس آرزو کے پورا نہ ہونے پر میری یہ کیفیت تھی کہ

منم کنج خمولے کہ نگنجد در وے جز من و چند کتابے و دوات و قلمے!

مجھے آپ سے ایک عجب سی مماثلت بھی ہے آپ بھی ایک جماعت میں شامل ہوئے اور امیر جماعت کی آمریت سے بیزار ہو کر الگ ہوئے - میرا سانحہ کچھ زیادہ ہی المناک ہے - کہ جس شخص کو میں نے بیس پچیس سال تک مرشد سمجھا وہ ایسا تھا کہ اس کا کردار — کسی زبان میں بیان نہیں ہو سکتا - اس کی خلوتیں اس کی جلوتوں سے خائف اور اس کی جلوتیں اس کی خلوتوں سے نالاں تھیں - اس کی آہنی فراست کا حریف ہونا کسی عبقری کا ہی کام ہو سکتا تھا - یہ محض اللہ کا فضل و کرم تھا کہ مجھے قادیان سے ربع صدی سے کچھ کم وابستہ رہ کر دام تزویر سے رستگاری نصیب ہوئی - اور عقاید و مکائد - ید بیضا اور ید مبروص - دم عیسیٰ اور دم افعی میں تمیز کا جذبہ بیدار رہا - اور مجھے معلوم ہوا کہ اکثر :- "کار ذاتی سے ہیں عاجز "پاکبازان" جہاں - - - - اپنے منہ کی گرد پانی آپ دھو سکتا نہیں"

اتوار کے روز آپ کے درس قرآن سے پہلے شام کو جامع مسجد سمن آباد میں مولانا عبدالمالک صاحب کا درس سنا - اس سے تشنگی دور ہوئی - لیکن آپ کے درس سے سیرگی کا مزا آیا - ایک درس سے نفی کا ازالہ ہوا - اور دوسرے درس سے تنویر قلب میں اضافہ ہوا خطاب میں صوتیات کو بڑا دخل ہوتا ہے آپ کی شوکت آواز نے درس کی شوکت کو دوبالا کر دیا - قرآن کریم کے جلال و جمال کو بے صوت آواز سے کوئی علاقہ نہیں - کیونکہ نہ وقر آذان کا علاج ہے نہ اس میں غشاوۂ بصر کا مداوا ہوتا ہے - منافقوں کے ذکر میں قرآن کریم کے تنزیہی فلسفے کے بیان سے فہم کو جلا ملی - کہ کس طرح قرآن کریم پہلے اشاروں کنایوں میں اس گروہ کا ذکر کرتا ہے - اور پھر منافق پکار کر ان کے کردار کی شناعت کو طشت از بام کرتا ہے -

فساد کی تشریح سے اسلامک سٹیٹ کا مسئلہ اظہر من الشمس ہو گیا - جو ریاست خشیۃ اللہ سے عاری ہے وہ اپنی ذات میں منظم فساد ہے - اس تشریح سے نہ صرف لذت یاب ہوا - بلکہ سوچ کے دریچے وا ہو گئے - آپ کی تشریح سے ایک شعر سامنے آگیا ہے - ؎

حاکمی بے نور جاں خام است وخام . . . . بے ید بیضا ملوکیت حرام

تحویل قبلہ کے متعلق آپ کی تفسیر سے تاریخ کی کئی گرہیں کھل گئیں ۔ تحویل قبلہ سے قبل یہودیوں کا استکبار اور قریش کی سفیہانہ بے فکری اور تحویل کے بعد یہودیوں کے غرور کا استیصال اور قریش مکّہ کی پریشان خاطری کا آپ نے بڑا دل نشین نقشہ کھینچا ۔ نماز میں حضور قلب پیدا کرنے کا نسخۂ کیمیا بھی تیر بہدف تھا ۔ درس میں بڑے نادر نکتے بیان ہوئے ۔ اور بڑی اثر آفرینی سے بیان ہوئے اور سامعین ہمہ تن گوش ہو کر سنتے رہے ۔ آپ کے دل سے نکلی ہوئی بات دل میں سما سی جاتی ہے ۔ یہ ملکۂ موہبت ہے اکتساب سے میسر نہیں آتا ۔

آپ کسی تبصرے کے محتاج ہرگز نہیں ۔ میں نے بھی تبصرے والی کوئی بات نہیں کی ۔ محض اپنے تاثرات کو بیان کر کے فراغ قلب کی آسودگی حاصل کی ہے ۔ مجھ سے نہ پوچھیں کہ میں نے آپ کو طول لا طائل تحریر پڑھنے کی زحمت کیوں دی ہے ۔ ؎

مجھ سے حرفِ ملامت پوچھئے تو ٹھیک ہے حرف کو رخصت ملی تو داستاں ہو جائیگا!

نیاز کیش ـــــ مرزا محمد حسین ۲۱/۱۰/۷۵

اس مبالغہ آمیز مدح و تعریف پر جب خاکسار نے اسے ٹوکا ـــ اور بالخصوص اپنے لئے "حضرت" کا لفظ استعمال کرنے سے منع کیا تو اپنے دوسرے خط میں اس نے لکھا :

"میرے علم میں آپ سے زیادہ "حضرت" کے خطاب کا اس وقت کوئی مستحق نہیں ، لیکن چونکہ آپ "حضرت" کے خطاب سے حذر کرتے ہیں اس لئے میں نے بادلِ ناخواستہ آپ کو اس سے مخاطب نہیں کیا . . . . . "

مزید پیش قدمی کے انداز میں اس شخص نے "ہدیوں" کا سلسلہ بھی شروع کیا جو اکثر کتابوں پر مشتمل تھے ، ایک بار مبلغ چار صد روپے نقد بھی اس نے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کو بطور چندہ دیئے اور ساتھ ہی ایک واقفِ حال چوہدری محمد شریف صاحب زندھاوا کے ذریعے یہ بات بھی مجھ تک پہنچائی کہ میں نے آج تک کسی اور مولوی یا دینی ادارے کو ایک کھوٹا پیسہ بھی چندہ نہیں دیا ! (یعنی یہ مجھ سے بے انتہا "عقیدت" ہی کے اظہار کی ایک مزید صورت تھی!)

جو کتابیں اس نے مجھے پیش کیں ان پر بھی اپنے گل ہائے عقیدت کو با اہتمام و التزام سجا کر پیش کیا ۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں :-

۱ - "نذرِ عقیدت بخدمت صاحبِ درسِ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد صاحب -

ان کے درس سے یہ مبارک حقیقت آشکار ہوئی : "سَوَادُ القرآنِ بَیَاضُ الایمان !" (۳۱ - مارچ ۷۷ء)

۲ - " ارمغانِ مودّت و محبّت بخدمت مکرّم و محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ - ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا ایک قول بھی پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں :- "القرآن لیسَ بشعرٍ ولا بِنثرٍ بَلِ القرآن قُرْآنٌ !" (۳۱ - مارچ ۷۷ء)

(انگریزی کی دو کتابوں کے "پیش نامے" بھی 'میثاق' کے کور کے اندرونی صفحے پر ملاحظہ ہوں :)

اس نے اپنی جو داستانِ حیات بیان کی وہ مختصراً یہ ہے :- خاندانی قادیانی، جس کا بچپن اور پورا زمانۂ تعلیم قادیان میں گذرا، جس کے نتیجے میں مرزا محمود اس کے نزدیک ایک 'دیوتا' کی صورت اختیار کر گیا، بی اے کے بعد بی کام بھی کیا، انگریزی میں اچھی مہارت حاصل کرلی، نتیجۃً مرزا محمود کی بیویوں، بیٹیوں اور بہوؤں کا انگریزی ٹیوٹر مقرر ہوا، اس طرح خاندانِ نبوّتِ کاذبہ کے اندرونی گوشوں تک رسائی ہوئی، جو کچھ دیکھا وہ نہ کہنے کے لائق نہ سننے کے، سخت بددل ہو کر لاہور چلا آیا اور شجرۂ قادیانیہ کی فرعِ لاہوری سے وابستہ ہو گیا، اور مجھ سے ملاقات سے کچھ عرصے قبل تک لاہوری جماعت کے انگریزی ہفت روزے "Light" کا مدیر تھا! اس کا کہنا یہ تھا کہ میں نے امیر جماعت احمدیہ لاہور کے ہاتھ پر بیعت کبھی نہیں کی میں ان کے ساتھ صرف قادیٖنوں کے خلاف اپنے غم و غصّے کے اظہار کے لئے تھا اور بس!

مجھے ابتداءً یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ شخص قادیٖنوں یا لاہوریوں کا ایجنٹ تو نہیں جو کسی خاص مقصد سے میرے حلقے میں داخل کیا گیا ہو - لیکن رفتہ رفتہ یہ خیال دل سے نکل گیا اس لئے کہ اگرچہ میرے درس کی تعریف و توصیف تو وہ بہت ہی مبالغہ آمیز انداز میں کرتا تھا لیکن تحسین اس نے مولانا محمد مالک صاحب کے درس ہی کی نہیں، میرے ایک نوجوان رفیق کار مختار حسین فاروقی صاحب کے بیان کی بھی کی! لہٰذا میں نے آخری فیصلہ یہی کیا کہ اگرچہ اس کا مزاج تو 'قادیانی' ہے لیکن وہاں سے بدظنی اور بیزاری مصنوعی نہیں حقیقی ہے! -

لیکن جیسے جیسے اس کی شخصیت اور ذہن و فکر کے مزید گوشے سامنے آئے یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اس کے دل میں مرزا غلام احمد قادیانی اور اس سے بھی زیادہ اس کے خلیفہ حکیم نورالدین بھیروی علیہما ما علیہما کی عقیدت بڑی شدّت کے ساتھ موجود ہے اور غم

وعقیدہ اور بیزاری ونفرت جتنی بھی ہے وہ صرف مرزا محمود اور اس کے مابعد سے ہے؛ چنانچہ وہ تمام کلامی گمراہیاں جو ان اصل گوروؤں نے ایجاد کی تھیں وہ اس کے ذہن و قلب پر بھی پوری شدت کے ساتھ مستولی ہیں۔ ادھر حسنِ اتفاق سے میرے مسجد شہداء اور مسجد خضراء دونوں مساجد کے درس قرآن میں ولادت حضرت مسیح علیہ السلام کا مسئلہ زیر بحث آگیا۔ اس لئے کہ مسجد شہداء میں سورۂ آل عمران کا درس ہوا اور مسجد خضراء میں سورۂ مریم کا۔ اس موقع پر میں نے اہتمام کے ساتھ قادیانیوں کی پیدا کردہ گمراہیوں کا زور و شور کے ساتھ ردّ کیا اور ان کے گمراہ کن نظریات کا ابطال کیا۔ اور مسجد خضراء میں میں نے ڈنکے کی چوٹ کہا کہ "جو شخص حضرت مسیحؑ کی ولادت بن باپ کے نہیں مانتا میرے نزدیک وہ قرآن مجید پر ایمان ہی نہیں رکھتا!" ——— یہ بات اس شخص کے نہاں خانہ قلب کے بُت خانے پر ٹھیک نشانے پر پڑی اور وہ تلملا کر رہ گیا ——— اور اس نے میرے درس میں آنا بند کر دیا لیکن ظاہر ہے کہ اس موضوع پر اپنے عقیدے یا جذبات کا علانیہ اظہار اس کے لئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ اس نے فتنہ اٹھانے کی غرض سے شوشہ یہ چھوڑا کہ "یہ آنحضورؐ کی توہین کرتا ہے اس لئے کہ اس نے کہا ہے کہ آنحضورؐ پر جادو کا اثر ہو گیا تھا!" ——— میں نے بڑے کو گھر تک پہنچانے" کے انداز میں اس کے مکان پر حاضر ہو کر اس مسئلے پر گفتگو کی اور جب بخاری شریف کی روایت کا حوالہ دیا تو اس شخص نے سخت رکیک کلمات صحیح بخاری کے بارے میں کہے ——— چنانچہ میں نے بھی اس کے بارے میں آخری فیصلہ کر لیا!

یہ ہے وہ شخص جو اب بعض دوسرے دینی حلقوں اور دینی مجلسوں میں شریک ہو کر اپنے ان ہی "مرزائیانہ" ہتھکنڈوں سے کام لے کر پہلے علماء کے دل میں تو اپنے لئے نرم گوشہ پیدا کرتا ہے اور پھر انہیں میرے خلاف بھڑکا اور اکسا رہا ہے۔ چنانچہ اس کا جو خط حال ہی میں مسجد شہداء کی مجلس منتظمہ کے "نگرانِ اعلیٰ" کے نام آیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہے :-

"بخدمت مکرم صدر۔ مجلس صیانت المسلمین سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ہفتہ عشرہ ہوا۔ میں نے آپ کی خدمت میں اُس "درس قرآن" کے متعلق عریضہ لکھ کر ان کیفیات کے متعلق توجہ مبذول کی تھی جس سے نہ صرف وہ "درس قرآن" کے برکات کی نفی ہو رہی ہے۔ بلکہ مسجد کو ایک مبہم جو کے ہاتھوں زخم لگ رہے ہیں۔

ہر مسجد کسی نہ کسی مسلک سے وابستہ ہوتی ہے اس لئے اس مسلک کے جید عالم باعمل کو ہی اس سے وابستہ ہونا چاہیئے۔ مسجد شہداء کا بھی کسی فقہی مسلک سے ہی واسطہ ہوگا۔ لیکن یہ اپنے پاکیزہ نام کی وجہ سے مسلک جہاد سے وابستہ ہے اور شہداء عظام کی یاد ہی اس سے تازہ ہونی چاہیئے۔ اور جہاد اور شہادت سے علماً اور عملاً وابستہ عالم ہی اس میں امامت وخطابت اور درس قرآن کرنے کا مستحق ہو سکتا ہے اور ایسے عالم کا اپنا الگ کوئی ادارہ، تحریک، تنظیم اور مشن نہیں ہونا چاہیئے۔

اب جو صاحب درس قرآن دے رہے ہیں ان کا اپنا ایک ادارہ نہیں۔ بلکہ دو ادارے ہیں۔ ایک خدّام القرآن سے موسوم ہے دوسرا ہے تنظیم اسلامی ۔ دو الگ الگ نام ہونا ہی نفاق کی نشان دہی کرتا ہے۔ کیا یہ خدّام القرآنی ہے کہ درسوں میں حضور سرور کائنات سے پہلے ہر نبی کو حضرتِ رسول کریم پر افضل قرار دیا جائے۔ مثلاً راقم آثم خدا کے سامنے گواہ ہے۔ کہ اس صاحبِ درس قرآن نے کئی مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حسّی معجزات کی بنا پر ان کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ) اعلیٰ اور افضل قرار دیا۔ جب میں نے عرض کی کہ حضورؐ تو سیّد الانبیاء ہیں تو وہ صاحب بڑے حیران ہوئے اور خفا بھی۔

اگر ایسے درس کی اجازت قائم رہی تو یہ "صیانت المسلمین" نہیں ہوگی بلکہ "خیانت المسلمین" ہوگی۔ اور ایسی گمراہی سے اغماض کرنے والے حق تعالیٰ شانہ کے آگے مسئول ہوں گے۔ چونکہ اس درس میں عام طور پر مبتدی لوگ جاتے ہیں اس لئے ان کے ایمان میں خلل کے ذمّہ دار نہ صرف یہ صاحب درس قرآن ہوں گے بلکہ وہ اصحاب حلّ وعقد بھی جنہوں نے ان صاحب کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے اور خبر تک نہیں لیتے کہ یہ شخص علماء ربّانی کی توہین کر رہا ہے!

جب ان صاحب کا درس قرآن کا معاملہ ہی الگ تھلگ ہے تو وہ اپنی کسی مسجد میں جا کر سینگ سمائیں۔ ان صاحب نے اس مسجد کو اپنے خیالات اور تصوّرات کی نشر و اشاعت کا مرکز بنا رکھا ہے۔ پھر اس نے ایک اور بدعت سیّئہ کو رواج دے رکھا ہے قرآن کریم کو "منتخب" اور "غیر منتخب" میں تقسیم کر کے منتخب چند رکوعوں کا درس دیتا رہتا ہے۔ اور ان دنوں بھی اسی منفرد مسجد میں دے رہا ہے۔ بلکہ اس منتخب اور غیر منتخب کی تقسیم کو بڑے بڑے اشتہارات اور پوسٹروں میں چھاپ کر اس بدعت کی تشہیر کرتا ہے۔ اس پر میرے استدعا پر حضرت مولانا محمد مالک صاحب نے اس تقسیم پر شدید تنقید کی ہے۔ وہ چند افراد کے سامنے تھی۔ اس گمراہ کن کے خلاف وسیع تحریک ہونی چاہیئے۔ اصول یہ ہونا چاہیئے کہ مسجد

آپ حضرات کو عاجل توجہ فرمانی چاہیئے۔ والسلام   خاکسار محمد حسین

اس 'مرزائیانہ' خط پر اس اعتبار سے تو کلام تحصیل حاصل اور تضیع وقت و قلم و قرطاس کے ذیل میں آئے گا کہ بھلے آدمی! کیا ۵۷ء تا ۶۳ء جو تو ذوق و شوق کے ساتھ تحسین کے ڈونگرے برساتا ہوا اور تائیدی نعرے لگاتا ہوا میرے درس میں شامل ہوتا رہا اس وقت میں نے تجھے اپنی کوئی سند دکھائی تھی جس کا جعلی ہونا تجھ پر منکشف ہوگیا ؟ یا یہ تیری وہ دبی ہوئی قادیانی رگ ہے جس کو چھیڑنے کا میں مرتکب ہوا ہوں ؟ پھر اگر کوئی مردانگی کا شمہ بھی ہے تو سامنے آ اور اصل مسئلے پر بات کر، یہ آبروباختہ عورتوں کے مانند "بھائیوں" کا نام لے لے کر اصل میں "یاروں" کے لئے رونے سے کیا حاصل ؟ —— اب جو یہ جملہ قلم سے نکلا تو ساتھ ہی خیال آیا کہ یہ مردانگی کا "شبہ" بھی اس شخص کے بارے میں کیسے ہوگیا ؟ ہمیشہ کا ہڈیوں کی ٹی بی کا مارا ہوا اور چہرے اور سر دونوں کے اعتبار سے بالکل 'فارغ البال' اور خارش زدہ انسان جو ساری عمر شادی کے بارے میں سوچ بھی نہ سکا، اب آخری عمر میں کٹنیوں کا سا کردار اور بھس میں آگ لگا کر تماشا دیکھنے کا انداز نہ اختیار کرے تو آخر اور کیا کرے ؟

البتہ اس خط سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ جو مسجد شہداء کے نمازیوں میں سے ایک صاحب نے طویل خط آنحضورؐ کے معجزات کے بارے میں مسجد کی مجلس منتظمہ کو لکھا —— اور اب جو ہمیں آباد سے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب' کے بارے میں چہ مے گوئی سنائی دی تو ان دونوں معاملات کا اصل منبع و سرچشمہ یہی ذاتِ شریف ہے۔ مقدم الذکر موضوع پر میں اپنا پورا موقف لکھ کر مسجد شہداء کی مجلس منتظمہ کو دے چکا ہوں، موخر الذکر موضوع پر بھی کوئی بات واضح طور پر سامنے آئی تو وضاحت پیش کر دوں گا —— لیکن فی الفور جس ضرورت کا احساس ہوا وہ اس "ذاتِ شریف" کے چہرے کی نقاب کشائی ہے تاکہ سادہ لوح عوام اور حامیانِ دین و حاملانِ شرعِ متین علماء آگاہ ہو جائیں —— اور دوست دشمن میں تمیز کر کے آگے چلیں! اور اس شخص کی بات پر کان دھرنے سے قبل اس سے کم از کم مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم نور الدین بھیروی کے حق میں "تبرا" تو حاصل فرمالیں! باقی رہا علماء کرام کا معاملہ تو گذارش ہے کہ وہ جب چاہیں مجھے بلائیں اور میری جو قابل اعتراض بات ان کے کانوں تک پہنچائی گئی ہو اس کی وضاحت طلب فرمائیں میں ان کی خدمت میں سر کے بل حاضر ہونے کو تیار ہوں۔ لیکن خدارا وہ یہ ضرور سوچیں کہ جیسے ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی اسی طرح ہر وہ شخص جو اظہار عقیدت کرے لازماً مخلص نہیں ہوتا اور بسا اوقات ایسے لوگ 'مخلصین' کو باہم لڑا کر بڑے بڑے فتنے اٹھا دیتے ہیں۔

TRIBUTES

PAID TO Dr. ISRAR AHMED AND HIS 'DARS'
BY MIRZA MOHAMMAD HUSSAIN :

(i) Presenting his own book "Islam Versus Socialism" on 26th October, 1975 :-

"Presented to Hazrat Israr Ahmed Sahib as a humble but sincere tribute to his Dars-e-Quran which is illumined by "the gems of purest serene". About him one can truly say : 'To see him is to know him, to know is to love him, to love him is to adore him''.

Author
Mirza Mohammad Hussain
26 - 10 - 75"

(ii) Presenting M. N. Roy's "Historical Role of Islam" on 14th October, 1976.

"Presented to Venerable and amiable Dr. Israr Ahmed, whose widely popular Dars-e-Quran is ringing exhortation to his devoted listeners : "Let our Islam be seen. Lamps do not talk, but they do shine. Let God be the end of all our actions and the governing power of our whole souls".

Vol. 27 | MAY 1978 | No. 5

ان شاء اللہ العزیز دوران تعطیلات موسم گرما

۳۶ - کے
ماڈل ٹاؤن
لاہور

قرآن اکیڈمی

کے زیر اہتمام پہلا تعلیمی و تدریسی کورس

از یکم تا ۳۱ جولائی ۷۸ء

منعقد ہوگا - جس میں

مطالعہ قرآن حکیم ✿ اور مطالعہ کتب

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی رہنمائی میں ہوگا - اور

درس حدیث نبوی اور ✿ تدریس عربی کے فرائض

مولانا وصی مظہر ندوی

مہتمم و صدر مدرس ، مدرسہ اسلامیہ حیدرآباد سرانجام دیں گے -

شرکت کے خواہشمند حضرات اپنے ارادے اور مختصر کوائف سے زیادہ سے زیادہ ۱۵ - جون تک اطلاع دے دیں -

معلن : محمد بشیر ملک ، ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

بلا اطلاع تشریف لانے والے یا جزوی شرکت کے خواہشمند حضرات سے پیشگی معذرت !

ڈاکٹر اسرار احمد (ناشر) نے باہتمام چودھری رشید احمد (طابع) مکتبہ جدید
شارع فاطمہ جناح سے چھپوا کر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی ،